صلیبی جنگیں

تصنیف

اینٹنی ولسیٹ

ترجمہ

رئیس احمد جعفری

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی منگلا ملتان پشاور حیدرآباد کراچی

This is an authorized Urdu translation of

THE CRUSADES by Anthony West. Copyright 1954 by Anthony West. Published by Random House, Inc., New York.

SECOND URDU EDITION
PRINTED IN PAKISTAN

طبع ثانی	۱۹۶۸ء
تعداد	۲۵۰۰
طابع	عبدالحمید خان
مطبع	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
قیمت	پانچ روپے

ناشر

فیروز سنز

لاہور، راولپنڈی، منگلا، پشاور، ملتان، حیدرآباد، کراچی۔

بہ اشتراک

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن

لاہور ، نیویارک

عنوانات

	صفحہ نمبر
حرفِ آغاز	۵
پس منظر	۸
پطرس راہب	۱۳
زیریگورڈن کا محاصرہ	۲۴
ایک صلیبی بادشاہ بن گیا	۴۰
بیت المقدس پر یلغار	۴۹
دُوسری صلیبی جنگ	۶۲
صلاح الدین کا بیت المقدس پر قبضہ	۷۵
دو بادشاہ صلیبی بن گئے	۸۲
عکّہ کا محاصرہ	۹۴
یافہ کا آخری معرکہ	۱۱۷
چوتھی صلیبی جنگ	۱۳۲
سینٹ لوئی کی صلیبی جنگ	۱۴۹
صلیبی جنگوں کے بعد	۱۶۳
تتمہ	۱۷۲

حرفِ آغاز

صلیبی جنگوں کے حالات پر عربی، اُردو اور انگریزی زبانوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے کیونکہ یہ موضوع بے حد دلچسپ اور پُرکشش ہے۔ انگریزی زبان میں ہیرلڈ لیم، لین پُول، گبن اور دیگر مؤرخوں نے اس کے متعدّد گوشوں پر نئے نئے زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ عربی زبان یا اُردو زبان میں بیت المقدس، سرزمین عرب اور فاطمی خلفا پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سے بھی اس موضوع پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ عربی زبان میں بہاء الدین شدّاد نے، جو سلطان صلاح الدین ایّوبی کا ندیم اور رفیقِ جنگ تھا، اپنے مشاہدات مختصر لیکن جامع طور پر قلمبند کیے ہیں۔ مصر میں صلاح الدین پر احمد بیلی کی جو کتاب شائع ہوئی اس میں بھی صلیبی جنگوں پر عالمانہ نیز مورخانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُردو زبان میں مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی نے تاریخِ حُروبِ صلیبیہ کے نام سے ایک نہایت جامع اور مُستند کتاب لکھی جو اب نایاب ہے۔ غرض عربی، انگریزی اور اُردو، تینوں زبانوں میں اس موضوع پر اچھا خاصا مواد موجود ہے لیکن یہ مواد حرفِ آخر نہیں ہے۔ تحقیق کی نئی راہیں کھلتی رہی ہیں اور کُھلتی

رہیں گی۔ پیشِ نظر کتاب، جس انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے یہ بھی تحقیق کی ایک نئی راہ کھولنے کی ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔

یہ ایک امریکی مصنف اینٹنی ولیسٹ کا کارنامہ ہے اور گو یہ بھی اس موضوع پر حرفِ آخر نہیں ہے لیکن مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور اس کے مصنف نے واقعات کو تعصب کی عینک لگا کر دیکھنے سے عمداً اجتناب کیا ہے۔ اس نے نہایت نادر اور بیش قیمت معلومات کا ذخیرہ اپنے قاری کے سامنے پیش کر دیا ہے اور صاف گوئی میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے اور یہ صاف گوئی یک طرفہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی زد میں مصنف کے ہم مذہب ہی زیادہ آئے ہیں۔

فاضل مصنف نے اس معاملے میں یقیناً بڑی عالی حوصلگی دکھائی ہے اپنے ان ہم مذہب اسلاف کا، جو اکابر کی حیثیت اختیار کر چکے ہوں، بلا رُو رعایت کچا چٹھا پیش کر دینا بڑے حوصلے کا کام ہے لیکن اس کے باوجود بعض مقامات پر مصنف سے تسامح ہو گیا ہے۔ بعض ایسے اہم واقعات جو صلیبی جنگوں کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں نظر انداز ہو گئے ہیں۔ بیت المقدس، عکّہ اور یافہ کی جنگ اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے بڑی اہم تھی مگر اس کے بعض عہد آفرین واقعات کو مصنف نے قابلِ التفات ہی نہیں سمجھا۔ بعض واقعات کے بیان میں ابہام پیدا ہو گیا ہے، یعنی واقعات تو بیان کر دیے ہیں لیکن متعلقہ افراد کے نام نہیں لکھے جس سے پڑھنے والا

ایک قسم کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ بعض واقعات سے مصنّف سرسری طور پر گزر گیا ہے حالانکہ انھیں ان کی اہمیّت کے اعتبار سے وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ بعض واقعات کے بیان میں اس سے سہو بھی ہُوا ہے جن کی تصیح نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ میں نے ایسے تمام قابلِ اعتراض مقامات پر حواشی لکھ دیے ہیں مگر ان حواشی میں اپنی طرف سے کوئی حاشیہ آرائی نہیں کی ہے صرف مُستند مؤرخوں کی کتابوں سے حوالے پیش کر دیے ہیں۔

رئیس احمد جعفری

پس منظر

پہلی صلیبی جنگ اب سے کم و بیش ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ اس زمانے کی دُنیا آج کل کی دُنیا سے بہت مختلف تھی۔ عیسائیت اس وقت تک کوئی بڑا عالمی مذہب نہیں تھی بلکہ جس ابتدائی حالت میں تھی اس میں بھی مغربی یورپ اور جنوبی یورپ میں اسے اس کے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا۔

عیسائی مذہب اپنی ابتدائی صدیوں میں قدیم رُومی سلطنت کے ان علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیلا جو بحیرۂ روم کے ساحلوں پر واقع تھے۔ اسی طرح اس نے مغربی یورپ میں بھی بڑی تیز رفتاری سے ترقی کی، لیکن اسکے بعد اس کی ترقی کی رفتار سست پڑ گئی۔ ان قوموں نے جو قدیم رومی سلطنت کی شمالی سرحدوں پر آباد تھیں، اس نئے دین کو رُک رُک کر قبول کیا اور اس سے پہلے کہ ان میں سے سب قومیں عیسائی ہوتیں، مشرق اور شمالِ بعید کے وحشیوں نے ان کو مغلوب کر کے پامال کر ڈالا۔ پھر یہ وحشی جنوب کی سمت میں آگے بڑھ کر رُومی

علاقوں میں داخل ہوئے، انھوں نے وہاں کے باشندوں کے امن وامان اور ان کی خوش حالی کو غارت کیا اور ہر طرف بدنظمی پھیلا دی ۔ ایسے پُر آشوب دَور میں ایک نیا دین کیسے پھیل سکتا تھا چنانچہ یہ صرف جنوبی علاقوں میں باقی رہ گیا ۔ اور عین اسی وقت جنوب مشرق سے ایک نیا حریف نمودار ہوگیا ۔

۵۷۰ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ۔ آپ نے چالیس سال کی عُمر کو پہنچنے کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کردی ۔ یہ نیا مذہب عربوں میں اتنی ہی تیزی سے پھیلا جتنی تیزی سے جنگل میں آگ پھیلا کرتی ہے ۔

لفظ اسلام کے معنی ہیں اطاعت اور لفظ مُسلم کے معنی ہیں خدا کی مرضی کے سامنے سرخم کرنے والا ۔ عربوں نے اس دین کو دل وجان سے قبول کیا ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ فرمایا کہ جو مسلمان خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہُوا مارا جائے گا وہ شہید ہوگا اور سیدھا جنّت میں جائے گا ۔ عرب آں حضرتؐ کی اس بشارت پر ایمان لے آئے اور اسلام کے علم تلے ایسے مُتحّد ہوئے کہ کچھ عرصے تک دُنیا کی کوئی طاقت انھیں نیچا نہ دکھا سکی ۔ ان کی فاتح فوجیں یلغار کرتی ہوتی بحیرۂ روم کے مشرق اور جنوب کے رومی صُوبوں میں داخل ہوگئیں اور دو سو سال کے اندر اندر شام، مصر، شمالی افریقہ اور اسپین پر اسلامی

پرچم لہرانے لگا۔ اور اس طرح عیسائی دُنیا کا ایک تہائی حصہ عربوں کے قبضے میں آگیا۔[1]

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ وحشی لوگ، جو مشرق اور شمال سے عیسائی علاقوں پر چڑھ دوڑے تھے، متمدّن ہوتے گئے اور انھوں نے بھی عیسائیت قبول کر لی۔ اس سے کلیسا کی اخلاقی قوت بحال ہونے لگی، اُسے چھنے ہوئے علاقے بھی واپس ملنے لگے اور عیسائیت کے قدم نئے نئے علاقوں میں بھی پہنچنے لگے۔ پہلی صلیبی جنگ سے کم و بیش سو برس پہلے ڈنمارک، ناروے اور سویڈن عیسائی ہو گئے تھے اور اس سے پچاس ساٹھ برس پہلے پولینڈ اور ہنگری نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

اب عیسائیوں نے اپنا دفاع کرنے کے بجائے اَوروں کے خلاف اقدام شروع کیا۔ شمال میں عیسائی بادشاہوں نے بحیرۂ بالٹک کے ساحلوں پر آباد بُت پرستوں کے خلاف جنگ شروع کی اور جنوب میں فرانسیسی اور اسپینی عیسائیوں نے اسپین کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کرنے کی مہم

---

[1] مغربی مصنفین میں سے بیشتر اپنے تمام علم و فضل کے باوجود اسلام کے بارے میں بعض غلط فہمیوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام صرف عربوں پر اُترا تھا اور اس دین کی برکت سے جو فتوحات انھوں نے کیں یہ عرب قوم کی فتوحات تھیں حالانکہ اسلام دُنیا کے سب انسانوں اور ہر قوم کے لیے ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی فتوحات میں عربوں کے علاوہ دوسری قوموں کا بھی حصہ ہے۔ (مترجم)

شروع کر دی ۔

ان جنگوں سے حالات کا پانسا عیسائیت کے حق میں پلٹنے ہی کو تھا کہ اس کی راہ میں ایک اور مہیب روک حائل ہوگئی ۔ گزشتہ صدیوں میں جس طرح یورپ میں وحشی حملہ آور مُہذّب انسان بن گئے تھے اسی طرح مسلمان بھی متمدّن ہوگئے تھے ۔ اب وہ غیر مہذّب اور خانہ بدوش صحرائی نہیں رہے تھے بلکہ مُہذّب اور متمدّن شہری باشندے بن چکے تھے ۔ یہی نہیں اُن کے داعیانِ تبلیغ نے ایک اور جنگجو قوم کو بھی مسلمان کر لیا تھا ، یہ وسطی ایشیا کے تُرک تھے ۔ ان تُرکوں نے اسلام قبول کر لینے کے بعد عربوں کے علاقوں کو زیرِ نگیں کیا اور خود کو ایک ایسی حکمران قوم بنا لیا جس کا غلبہ عرب بھی تسلیم کرنے لگے ۔ اسلام نے جنگجو ترکوں میں عسکریت کی ایک نئی رُوح پھُونک دی اور بہت جلد وہ مشرق کے عیسائیوں کے لیے ایک حقیقی خطرہ بن گئے ۔

یورپ میں اس وقت سب سے زیادہ دولت مند اور خوش حال عیسائی حکومت بازنطینی حکومت تھی ۔ اس کی دولت اور جنگ آزما سپاہیوں کا سرچشمہ اس کا وہ مقبوضہ علاقہ تھا جو ایشیائے کوچک میں بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیان پھیلا ہُوا تھا ۔ اس حکومت کا مرکزی مقام قسطنطنیہ تھا ۔

تُرکوں نے زور پکڑتے ہی بازنطینی حکومت کے ان علاقوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی ۔ بازنطینی فوج نے شروع کے دو معرکوں میں تو

تُرکوں کو زبردست شکست دی لیکن تیسرے معرکے میں جو مَین زیکرٹ کہلاتا ہے، تُرکوں سے شکست کھائی۔ اس جنگ میں بازنطینی حکومت کے تمام تربیت یافتہ سپاہی قتل ہو گئے اور ایک عرصے تک بازنطینی حکومت دفاع کے معاملے میں لاچار رہی۔

تُرک اس فتح کے بعد آگے بڑھتے چلے گئے اور اُنھوں نے عیسائیوں کے کئی بڑے شہروں مثلاً انطاکیہ اور نیقیہ پر قبضہ کر لیا ایک تُرک بادشاہ نے نیقیہ پہنچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور سلطانِ روم کا لقب بھی اختیار کر لیا[1]۔

اس علاقے پر ترکوں کے قبضے کی خبر سارے یورپ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ اور اربابِ کلیسا اور اربابِ سیاست، سب نے بھانپ لیا کہ اگرچہ اسپین میں مسلمانوں کے زوال سے عیسائیت کے سر سے ایک خطرہ ٹل گیا ہے لیکن مشرق سے ترکوں کی اُبھرتی ہوئی طاقت ایک اور مہیب خطرہ ہے۔

صلیبی جنگیں اسی خطرے کو دُور کرنے کے لیے شروع کی گئیں[2]۔

---

[1] یہ ترک ایک سلجوقی ترک قلیج ارسلان بن سلیمان تھا۔ الپ ارسلان کے زمانے میں یہ علاقہ فتح ہوا تھا، جس نے سلیمان بن قلتمش بن اسرائیل بن سلجوق کو صوبۂ روم یا ارضِ روم کا حاکم بنایا تھا۔ اسی کی نسل میں ایشیائے کوچک کی یہ اسلامی حکومت خلافت سے الگ ہو کر ایک خود مختار سلطنت بن گئی۔ سلیمان سے لے کر کیقباد تک پندرہ بادشاہ ہوئے۔ قونیان کا دارالحکومت تھا۔ صُوبۂ روم کے حکمران ہونے کی وجہ سے یہ بادشاہ سلطانِ روم کہلاتے تھے۔ (مترجم)

[2] گویا صلیبی جنگیں مذہبی جنگیں نہیں تھیں، انھیں مذہبی تقدس حاصل نہیں تھی اور ان کا وہ درجہ نہیں ہے جو مسلمانوں کے جہاد کا ہے۔ (مترجم)

پطرس راہب

پطرس راہب کے بارے میں یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تاجر تھا اور بعض کا خیال یہ ہے کہ وہ ایک معمولی زمیندار تھا[۱]۔ بہرحال اس نے اپنی زندگی کے تیسویں برس اپنا سب کچھ بیچ ڈالا اور کلیسائے مزارِ مقدس کی زیارت کے لیے یروشلم روانہ ہوگیا۔ ہر سال عیسائی یورپ کے ہزاروں لوگ اسی مقصد سے ارضِ مقدس پہنچا کرتے تھے کہ اس خاک کو سُرمۂ چشم بنائیں جو کبھی حضرت مسیحؑ کے قدموں سے مَس ہوئی ہوگی۔ صدیوں سے یہ سلسلہ جاری تھا اور حضرت مسیحؑ کی موت[۲] کے چھ سو برس بعد بھی، جب عربوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا، جاری رہا تھا۔

---

[۱] پطرس راہب ایمنس یا اس کے گرد و نواح کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص ۱۰۹۲ء مطابق ۴۸۴ھ میں، جو حسن بن صباح کے قلعۂ الموت پر قبضہ کرنے اور حشیشین کی حکومت کی بُنیاد رکھنے کا سال تھا، یروشلم کی زیارت کرنے گیا تھا۔

[۲] مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر زندہ سلامت موجود ہیں۔

مسلمان حضرت عیسےؑ کا اللہ کے ایک سچّے نبی کی حیثیت سے احترام کرتے تھے۔ انھوں نے عیسائیوں کو اسکی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ یروشلم میں خانقاہیں تعمیر کرلیں۔ وہ عیسائی زائروں سے ایک معمولی سی رقم تو ضرور وصُول کرتے تھے لیکن اس کے علاوہ کبھی ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کی تھی۔ اس لیے جب پطرس اپنی منزلِ مقصُود کی طرف روانہ ہُوا تو اسے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ راستے میں کسی آفت سے پالا پڑے گا۔

لیکن جب وہ سرزمینِ مقدّس کے قریب پہنچا تو اس نے طرح طرح کی پریشان کُن افواہیں سُنیں۔ راہ میں جس کسی کارواں سرائے میں ٹھہرا وہاں اسے ایسے مرد عورت ملے جو زیارت سے مایوس ہو کر واپس آرہے تھے۔ انھیں راستے ہی سے لوٹا دیا گیا تھا۔ جب پطرس اسلامی علاقوں کی سرحد پر واقع عیسائی شہروں میں پہنچا تو انھیں ان مسیحی پناہ گزینوں سے پٹا ہُوا پایا جنھیں یروشلم سے نکال دیا گیا تھا۔ ان پناہ گزینوں نے اسے بتایا کہ ترکوں نے عربوں کو شکست دے کر یروشلم پر قبضہ کرلیا ہے[1] اور اب وہاں حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ عرب مُبلّغوں نے ایشیا میں شمال اور مشرق میں محمّدؐ کا دین پھیلایا تو کُرد اور تُرک مسلمان ہوگئے۔ پھر تُرکوں نے

---

[1] مصنّف سے سہو ہُوا ہے۔ اس زمانے میں بیت المقدس پر ترکوں کا قبضہ نہیں تھا بلکہ یہ علاقہ مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کی حکومت میں تھا (مترجم)

جنوب کا رُخ کیا اور بہت جلد عربوں کو مطیع کر لیا۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے یہ نو مسلم اپنے مذہب کے پُرانے مسلمانوں سے زیادہ کٹر پیرو ہیں۔ انھیں یہ برداشت نہ ہُوا کہ عیسائی مسلمانوں کے درمیان امن و عافیت سے زندگی بسر کرتے رہیں اور مسجدوں کے پہلو بہ پہلو گرجا بھی نظر آئیں چنانچہ انھوں نے عیسائی راہبوں اور اسقفوں کو یروشلم سے نکال باہر کیا اور گرجاؤں کو جلا ڈالا یا منہدم کر دیا اور اب بہت تھوڑے زائروں کو ارضِ مقدّس میں حاضر ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔

پطرس کو ان باتوں کا یقین نہ آیا۔ اس نے حالات کا بچشمِ خود مشاہدہ کرنا چاہا چنانچہ آگے بڑھتا چلا گیا مگر راستے میں ایک مقام پر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ ترکوں نے اسے مارا پیٹا اور اُلٹے قدموں واپس کر دیا۔[1] وہ بھیک مانگتا ہُوا قسطنطنیہ پہنچا اور وہاں سے روم کی طرف روانہ ہوگیا

---

[1] مصنّف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ پطرس کو راستے میں سے واپس نہیں کیا گیا تھا۔ وہ یروشلم پہنچا تھا اس نے مزارِ مسیحؑ اور دیگر مقدّس مقامات کی زیارت کی تھی اس کے بعد واپس ہُوا تھا۔ فرانسیسی مؤرخ مچاڈ نے "صلیبی جنگوں کی تاریخ" میں (صفحہ ۲۴۴ پر) لکھا ہے" شام اور یروشلم پر اس وقت مصر کے مستنصر علوی کی حکومت تھی جو خلفائے بنی فاطمہ میں سے تھا۔ یہ خلفا عیسائیوں سے عام مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ بُرا سلوک کرتے تھے۔ پطرس اس بدسلوکی پر بہت برافروختہ ہُوا اور اس نے یروشلم کے بطریق سے مل کر اس بارے میں گفتگو کی۔ اس نے بے بسی ظاہر کی اور یہ کہا کہ جب تک یورپ کے عیسائی بادشاہ ان عیسائیوں کو نہ بچائیں گے اس وقت تک یہی حالت رہے گی۔ پطرس مشتعل ہو گیا۔ ایک دن وہ مسیحؑ کی قبر کے آگے سربسجود تھا کہ اس نے مسیحؑ کی یہ آواز سُنی کہ پطرس اُٹھ کھڑا ہو اور عیسائیوں کی اس مصیبت کو مشتہر کر دے۔ یہ وقت ہے جب میرے خادم مدد حاصل کر کے مقدّس مقامات کو چھڑا سکتے ہیں"

تاکہ پوپ اربن سے فریاد کرے اور اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایک مذہبی جنگ کی دعوت دے جس کا مقصد کلیسائے مزارِ مسیحؑ کو مسلمانوں سے چھیننا ہو۔

پوپ اربن نے پطرس کی فریاد پوری توجہ سے سُنی۔ چند ہی دن پہلے بازنطینی سلطنت کے سفیر اس کے پاس پہنچ چکے تھے اور انھوں نے اسے بتایا تھا کہ ترک اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ تنہا بازنطینی سلطنت ان سے نہیں لڑ سکتی اور شہنشاہ الیکسیس کی درخواست ہے کہ عیسائی علاقوں سے مسلمانوں کو دُور رکھنے کے لیے ساری عیسائی دُنیا اس کی مدد کرے[۱]۔

پوپ اربن منصبِ پاپائیت پر فائز ہونے سے پہلے فرانس کی عظیم خانقاہ کلونی کا بڑا پادری تھا۔ اس خانقاہ کے پادری سو برس سے بھی زیادہ مُدّت سے فرانسیسی سرداروں کو آپس میں لڑتے سے باز رکھنے کی سرگرم کوششیں کرتے اور ان کو یہ سمجھاتے رہے تھے کہ اسپین پہنچ کر اُن عیسائیوں کی مدد کریں جو مسلمانوں سے اپنے علاقے چھیننے کی جدوجہد

[۱] "اس رومی شہنشاہ کو یہ خطرہ تھا کہ ترک اس سے قسطنطنیہ چھین لیں گے۔ اس نے پوپ اربن کے پاس سفیر بھیجنے کے علاوہ یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو بھی اس مضمون کے خط لکھے تھے کہ اگر انھوں نے جلد اس کی امداد نہ کی تو قسطنطنیہ پہ ترکوں کا قبضہ ہو جائے گا جس میں عیسائیوں کی بہت سی یادگاریں ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہاں دولت سے بھرے ہوئے خزانے بھی ہیں جن سے امدادی فوجوں کے سپاہیوں کو انعامات دیے جائیں گے نیز یہاں کی حسین و جمیل عورتوں کی محبت یورپی سورماؤں کے لیے سب سے بڑا انعام ثابت ہو گی۔" (صلیبی جنگوں کی تاریخ صفحہ ۴۵ از مجاہد)

کر رہے ہیں -

غرض مسلمانوں کے خلاف عیسائی یورپ کی مشترکہ جنگ کا منصوبہ تیار تو پہلے ہی سے تھا، شہنشاہِ قسطنطنیہ اور پطرس کی فریاد سُن کر پوپ کو یقین ہوگیا کہ اب اس منصوبے پر عملدرآمد کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے پطرس کو مسلمانوں کے خلاف مذہبی جنگ کی تبلیغ پر مقرر کیا اور خود فرانس روانہ ہوگیا تاکہ اسقفوں اور راہبوں کی اُس مؤتمر میں اس جنگ کا اعلان کرے، جو کلرموں میں منعقد ہو رہی تھی -

کلرموں جاتے ہوئے پوپ اربن پرووینس سے گزرا اور ریمنڈ آف تلوز سے بھی ملا جو اسپین کے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے عیسائیوں کے جتھے بھیجتا رہا تھا - ریمنڈ نے پوپ سے وعدہ کیا کہ وہ ارضِ مقدس ضرور جائے گا اور اُن امیروں کی صف میں سب سے آگے ہوگا جو جنگِ مُقدّس میں شریک ہوں گے -

پوپ اربن کے کلرموں پہنچنے سے پہلے ہی سارے فرانس میں لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ وہ کس مقصد سے آ رہا ہے - جابجا انسانوں کے غول کے غول اس کے استقبال کے لیے جمع تھے - پوپ کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کسی کلیسا کے اندر کھڑے ہوکر کرے لیکن مجمع اتنا بڑھ گیا کہ وہ کلرموں کی کسی بڑی سے بڑی عمارت میں بھی نہ سما سکتا تھا چنانچہ شہر کے مشرقی علاقے میں ایک بہت بڑے میدان میں ایک چبوترا بنایا گیا - اس پر کھڑے

ہوکر پوپ نے تقریر کی۔ ہزاروں لوگ اس کی یہ تقریر سُن کر اضطراب اور جوش کی شدّت سے دیوانے سے ہوگئے۔ انھوں نے فوراً میدانِ جنگ میں جانے پر آمادگی ظاہر کردی اور بڑے جوش سے نعرہ مارا "خدا کی مرضی یہی ہے۔" ہزاروں آدمیوں نے اُسی وقت حلف اُٹھالیا کہ وہ ابھی سے جنگِ مقدّس میں شریک ہوتے ہیں۔

اس مہم کے لیے آدمی جمع کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ ہوسکتا تھا۔ تین سال سے مُسلسل قحط پڑ رہا تھا جس سے بہت سے دہقان اور کسان تباہ و برباد ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے سُن رکھا تھا کہ جو عیسائی اسپین میں مسلمانوں سے لڑنے گئے تھے، وہ عربوں سے زمینیں چھین کر کوہ پرینیز کے اس پار بس گئے ہیں اور خوب کھیتی باڑی کر رہے ہیں۔ پوپ اربن نے ان کو یقین دلایا کہ عربوں سے جو زمینیں چھینی جائیں گی وہ ان لوگوں میں تقسیم کردی جائیں گی جو سرزمینِ مقدّس میں مقیم ہونا چاہیں گے[1]۔ اس سے لوگوں نے

---

[1] ڈاکٹر احمد بیلی نے "صلیبی جنگوں کی تاریخ" میں پوپ اربن کی تقریر کا یہ حصّہ درج کیا ہے: "یہ لڑائی صرف ایک شہر پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام ایشیا اور اس کی بے شمار دولت اور خزانوں پر قبضہ کرنے کے لیے شروع کی جارہی ہے۔ تم لوگ بیت المقدس کو جنّت بناؤ اور مقدّس زمینوں کو چُھڑاکر اُن پر قبضہ کرلو اور ان میں سے اُن کافروں کو نکال دو جنھوں نے انھیں غصب کرلیا ہے۔ یہ زمینیں، جیسا کہ تورات میں ہے، دُودھ اور شہد بہاتی ہیں۔"
اسٹیفن سن نے "مشرق میں صلیبی" میں لکھا ہے کہ "صلیبی جنگوں کا مقصد شام اور فلسطین میں لاطینی قوت کو مضبوط کرنا تھا۔"

یہ سمجھا کہ افلاس اور تنگی کی بلاؤں سے پیچھا چھڑانے کا یہ بڑا اچھا موقع مل رہا ہے ۔ پھر انھوں نے یہ بھی سوچا کہ یروشلم " ارضِ موعود" کا "شہرِ زریں" ہے ۔ اسے بائیبل نے دودھ اور شہد کا شہر بتایا ہے ۔ وہاں ضرور پہنچنا چاہیے ۔ وہ وہاں جا بسنے کے لیے بے قرار ہو گئے ۔

پوپ اربن وہاں سے روم واپس ہُوا تو آتے وقت اپنے پیچھے پطرس راہب اور اڈمار ڈی مونٹی کو فوج بھرتی کرنے کے کام پر مقرر کر آیا ۔

اڈمار لی پوئی کا اسقف تھا اور کلیسا کے بڑے امیروں میں شمار ہوتا تھا ۔ وہ شاہانہ زندگی بسر کرتا تھا ۔ زرکار و زرنگار لباس پہنتا اور ریشم اور دیبا کی چادریں استعمال کرتا تھا ۔ بارہا امراء کی جنگوں میں لڑ چکا تھا اور فنِ حرب میں اس کے کمال کی شہرت دُور دُور پہنچ چکی تھی ۔ اس کے ہتھیار اور زرہ بکتر نفیس ترین تھے ۔ اس کے پاس ایک ایسا عجیب و غریب خود تھا جس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے اور حد تو یہ ہے کہ اس کی مہمیز تک سونے کی تھی ۔ بعض جنگ آزما راہب جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو دھاردار ہتھیار لے کر نہ جاتے تھے، صرف گُرز وغیرہ لے جاتے تھے تاکہ بعد میں خونریزی نہ کرنے کا دعوےٰ کر سکیں لیکن اڈمار دو دھاری تلوار لے کر میدان میں اُترتا تھا ۔ وہ سپاہی تھا اور منصوبے بھی سپاہیانہ انداز ہی سے بناتا تھا ۔ اس نے صلیبی جنگ، کے لیے بھرتی شروع کی تو اُن لوگوں کی

خدمات قبول نہیں کیں جو بیمار، نو عمر، یا بوڑھے تھے اور ایسے لوگوں کو بھی اپنی فوج میں نہیں لیا جو میدانِ جنگ کو جاتے وقت اپنے کنبوں کی پرورش کا بندوبست نہ کر سکتے تھے۔ اس نے جن لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا، ان کے مالی معاملات کے بندوبست کا کام کلیسا کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان نائٹوں کو خاص طور پر اپنی فوج میں ... ہونے کی دعوت دی جو ہتھیار چلانے کی تربیت پا چکے تھے۔

اڈمار نے پورے مغربی یورپ کا دورہ کیا اور ایک ایک قلعے میں پہنچ کر ہر قلعے میں سے اس قسم کے جنگ آزما بھرتی کیے۔ ان میں سے بعض ساحل رود بار کے نارمن تھے جیسے بالڈون آف بولونے اور رابرٹ آف نارمنڈی۔ یہ ناروے اور سویڈن کے بحری قزاقوں کی اولاد میں سے تھے۔ بعض اور لوگ، مثلاً تلوز کا ریمنڈ، گاتھ نسل سے تعلق رکھتے تھے، جو رومی شہنشاہیت کے زوال کے زمانے میں جنوبی فرانس آکر یہاں بس گئے تھے۔ کچھ اور لوگ، مثلاً گوڈفرے ڈی بوئیلون، لورین اور برگنڈی کے تھے، جہاں ایک المانی قوم اور فرینکس بس گئے تھے۔ ان سب نے اڈمار یا اس کے نمائندوں کے سامنے یہ حلف اٹھایا کہ ہم اس وقت تک عیسائی فوج کا ساتھ دیں گے جب تک یروشلم آزاد نہ ہو جائے گا۔ ہر اس شخص نے، جس نے یہ حلف اٹھایا، سرخ کپڑے کی ایک صلیب اپنے لباس کے مونڈھے پر یا اپنی چادر پر سلوا لی۔ حلف اٹھانے کی تقریب "صلیب اٹھانے" کے نام سے مشہور ہوئی اور جن لوگوں نے

صلیب ہاتھ میں لے کر حلف اٹھایا انھیں "صلیبی" کہا جانے لگا۔

پطرس راہب کا رنگ ڈھنگ اِن سرداروں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ ہر قسم کے موسم میں ننھا اور ننگے پاؤں نکل کھڑا ہوتا۔ اس کے جسم پر ایک ہلکے سے جُبّے اور ایک اونی رُوپوش کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ رات کو اسی جُبّے کو جسم کے گرد لپیٹ کر لیٹ رہتا۔ نہ بستر رکھتا تھا نہ چادر۔ اُس کی ڈاڑھی بڑھتے بڑھتے ناف تک پہنچ گئی تھی۔ اسکے سر کے ناتراشیدہ بال اس کی گردن اور کانوں پر گرے پڑتے تھے۔ وہ دُبلا پتلا منحنی سا آدمی تھا۔ نہ روٹی کھاتا نہ گوشت صرف مچھلی کے دو چار قتلے اور پانی ملی ہوئی تھوڑی سی شراب پی لیتا تھا۔ بڑے بڑے امیر اور نواب اس وضع قطع کے آدمی کی باتوں پر کیا کان دھرتے، چنانچہ وہ ان کے قلعوں اور محلوں میں گیا بھی نہیں۔ اس نے دہقانوں اور کسانوں میں تبلیغ کی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں چلا جاتا اور وہاں غریبوں کے سامنے تقریریں کرتا۔ یہ لوگ اس کے زرد لاغر چہرے اور انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھوں سے مسحُور ہو جاتے، پُوری توجہ سے اس کی باتیں سُنتے اور اس کے عقیدت مند بن جاتے۔ اسی لیے جب اس نے انھیں حکم دیا کہ گھر بار چھوڑ کر یروشلم جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو انھوں نے اس کے حکم کی جان و دل سے تعمیل کی۔ اپنے کھیت اور گھر بیچ کر کمانیں اور تلواریں خرید لیں، جنھیں استعمال کرنا بھی نہ جانتے

تھے، اور اپنا سامان چھکڑوں پر لاد کر بیویوں اور بچوں سمیت اس کے پیچھے ہو لیے[1]۔ انھیں اس کا کچھ پتا نہ تھا کہ کتنی دُور جانا ہے، جب کبھی کسی نئی جگہ میں پہنچتے، فوراً سوال کرتے۔ "کیا یروشلم آگیا؟"

پطرس اس قافلے کو لے کر شمالی فرانس سے ہوتا ہُوا جرمنی میں داخل ہُوا۔ اس کی تبلیغ کے اثر سے عوام کے بڑے بڑے جتھے اس کے سا[illegible]تے گئے۔ جب وہ کولون پہنچا تو اس کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے۔ ان میں کئی ہزار عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ کچھ خستہ حال سردار مثلاً والٹر سانس اوویر، جوفرے بُوریل اور

---

[1] ولیم ٹائر عیسائیوں کے اس وقت کے جوش وخروش کے بارے میں لکھتا ہے:

"فقیر اور تارک الدنیا لوگ اپنی کلیساؤں اور عبادت گاہوں سے، جن میں مرنے کی قسم کھا رکھی تھی، باہر نکل آئے۔ انھیں یقین تھا کہ ربّانی ہاتھ ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ زاہد اور درویش لوگ جنگلوں اور بیابانوں میں اپنے مسکنوں سے نکل کھڑے ہوئے اور صلیبیوں میں شامل ہو گئے۔ حد یہ ہے کہ چوروں اور راہزنوں نے بھی اپنی پوشیدہ پناہ گاہوں سے نکل کر اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور صلیب ہاتھ میں لے کر ان کا کفارہ اس طرح ادا کرنے کا حلف اٹھایا کہ ارضِ مقدس پہنچ کر مسلمانوں سے لڑیں گے۔ یورپ جلاوطنی کی سرزمین معلوم ہونے لگا جسے چھوڑنے کے معاملے میں ہر شخص اَوروں سے سبقت لے جانے کے لیے بیقرار تھا۔ اہلِ حرفہ، تاجروں اور مزدوروں نے اپنے اپنے پیشے چھوڑ دیے اور نوابوں اور جاگیرداروں نے اپنی آبائی جاگیروں کو خیرباد کہہ دیا۔ ان زمینوں کی وقعت، جن کے واسطے وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے، ان کی نظروں میں کچھ نہ رہی اور انھوں نے ان زمینوں کو قلیل رقموں میں بیچ ڈالا۔"

والٹر آف برے ٹوئیل بھی اس کے ساتھ ہو گئے - اور اس کے کمانداروں کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے - لیکن پطرس کے پیرووں میں سے بیشتر کسان اور مزدور ہی تھے جو لڑنے بھڑنے کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تھے - ان میں پہلوان، چور اور ڈاکو بھی آن گھسے تھے، جو مالِ غنیمت ہاتھ آنے کے لالچ میں ساتھ ہو لیے تھے -

اڈمار اُن نائٹوں سے جنھیں اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت حاصل تھی، پرزور اپیل کر رہا ہے

زیریگورڈن کا محاصرہ

پطرس راہب نے اپنی مہم کا آغاز کولون کے مقام سے کیا۔ کیونکہ اسی جگہ سے خشکی کا وہ راستہ شروع ہوتا تھا' جس سے زائرینِ ارضِ مُقدّس صدیوں سے ادھر جاتے آتے رہے تھے۔ یہ راستہ وادئ رائن میں مینز تک پہنچتا تھا اور وہاں سے مُڑ کر دریائے مین کے لگواں لگواں نورمبرگ تک چلا جاتا تھا۔ پھر وہاں سے کوہستان ہرز اور جبالِ ارتس گیبرج کے درمیان سے گزر کر رِگنز برگ کے مقام پر وادئ ڈینیوب میں داخل ہو جاتا تھا۔ رِگنز برگ سے ڈینیوب کے نشیب کی طرف اُترنے میں بلغراد تک یہ راستہ آسان تھا لیکن بلغراد سے ذرا پرے جنوب کی طرف کوہستانِ بلقان میں مُڑنے کے بعد قدرتی طور پر سنگلاخ ہو گیا تھا اور دریائے موراوا کے لگواں لگواں نیش تک چلا گیا تھا۔ نیش سے بازنطینی شہر فیلی پوپولیس تک وہ پہاڑی علاقہ جس سے یہ یہ راستہ گزرتا تھا' نہایت ناہموار تھا۔ اس کے بعد یہ راستہ وادئ برِتسا کی ترائی میں تھریس سے گزر کر قسطنطنیہ پہنچ جاتا تھا۔ یہ

کم و بیش پندرہ سو میل کی مسافت تھی۔

ان غریب سرداروں میں سے، جو پطرس کے ساتھ ہو لیے تھے، والٹر سانس اوویر اوروں سے زیادہ متوازن دماغ کا آدمی تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ اس دشوار گزار راستے سے گزرنا، جس میں قدم قدم پر موڑ آتے ہیں، پطرس کے اس غول کے لیے، جو کسانوں اور مہم جُوؤں پر مشتمل ہے، کتنا کٹھن ہے، چنانچہ وہ اسے جلد طے کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے پطرس پر زور دیا کہ تیز قدم اٹھانے کی ضرورت ہے کیونکہ اس بھیڑ کا کسی ایک جگہ ٹھہرے رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ لیکن پطرس کی آنکھیں اس قسم کے خطروں کی طرف سے بند تھیں۔ وہ مزید جرمن صلیبی اکٹھے کرنے کے لیے ٹھہر ٹھہر کر چلنا چاہتا تھا۔

والٹر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپریل کے وسط میں چھ ہزار فرانسیسی صلیبیوں کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہو گیا اور انہیں تیز گام چلاتا ہُوا جولائی کے وسط میں قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ یہ آغاز اُمید افزا تھا۔ پطرس فرانس اور جرمنی سے کم و بیش پندرہ ہزار مردوں، عورتوں اور بچّوں کا قافلہ لے کر اپریل کے آخر میں روانہ ہُوا۔ عورتیں اور بچے چھکڑوں میں سوار تھے جنھیں گھوڑے یا بیل کھینچ رہے تھے اور مرد پیدل چل رہے تھے یا گھوڑوں پر تھے۔ یہ قافلہ گھسٹتا ہُوا لشتم پشتم چل رہا تھا۔ جن لوگوں نے اسے اس

حالت میں روانہ ہوتے دیکھا انھوں نے یہ کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ساری دنیا اُٹھ کر مشرق کی طرف چل پڑی ہے۔ اس قافلے کے کسی جگہ پہنچنے سے پہلے اس کی آمد کی اطلاع وہاں پہنچ جاتی اور اس قسم کی افواہیں اُڑنے لگتیں کہ لاکھوں آدمیوں کا ٹڈی دَل آ رہا ہے۔ یہ آدمی جس جگہ ٹھہرتے ہیں اس کو اسی طرح تباہ و برباد بھی کر دیتے ہیں جس طرح ٹڈی دَل ہرے بھرے کھیتوں کا ستیاناس کر دیتا ہے۔

ہنگری کے باشندے اپنے دلوں میں یہ اندیشہ لیے ہوئے اُن کے مُنتظر تھے کہ کہیں یہ لوگ بھی ہمارے علاقے کو تباہ و برباد نہ کر جائیں۔ انھیں والٹر کی فوج پہلے ہی نقصان پہنچا چکی تھی۔ اُس نے ان کے ایک شہر سملین کو، جو بلغراد کے راستے پر ڈینیوب کے کنارے پر واقع تھا، لُوٹ کر ویران کر دیا تھا۔ ہُوا یہ تھا کہ وہ جب یہاں پہنچی تو اس کے پاس خوراک بالکل نہ تھی۔ فصل بھی اس وقت تک نہیں کٹی تھی اور منڈی میں بھی اناج نہیں تھا۔ والٹر کے صلیبیوں نے مشتعل ہو کر شہر کے اردگرد جتنے بھی کھیت تھے وہ سب لُوٹ لیے بلکہ منڈی میں پہنچ کر دُکانیں بھی لُوٹ لیں جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک بازار میں باشندوں اور صلیبیوں میں لڑائی ہوئی۔ جس میں بہت سے آدمی ہلاک ہوئے۔ ہنگری کے باشندوں کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں پطرس کے لاؤ لشکر کی آمد پر، جس کے آدمیوں کی تعداد

والٹر کی فوج سے کہیں زیادہ بنائی جارہی ہے، حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب نہ ہو جائیں ۔

پطرس کے پیرو سملیبن میں جون کے آخر میں داخل ہونے شروع ہوئے ۔ شہر میں اس وقت خوراک کی قلت تھی ۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دلوں میں فرق پڑنے لگا اور کھچاؤ پیدا ہوگیا ۔ شہر کے گورنر نے فصیل کے اندر صلیبیوں کا داخلہ بند کر دیا اور شہریوں اور صلیبیوں میں تصادم کو روکنے کے لیے خاص قانون بھی جاری کر دیے ۔ مگر اس سے لوگ اور بگڑ گئے ۔ چند روز بعد ایک منڈی میں ایک جوڑی جُوتے کے دام چکاتے ہیں ایک صلیبی کی ایک مقامی جُفت فروش سے تکرار ہوگئی پھر کیا تھا، چند منٹ کے اندر اندر ہلّڑ مچ گیا اور دُکانیں لُوٹی جانے لگیں ۔ غرض فساد شروع ہو گیا ۔ گورنر نے حالات کی روک تھام کے لیے سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں بھیجا ۔ اِدھر پطرس کے دستِ راست جوفرے بوریل کو جب یہ معلوم ہُوا کہ اس کے کچھ آدمی خطرے میں گھرے ہُوئے ہیں تو اُس نے فوراً لام بندی کا حکم دے دیا ۔ اور اپنے آدمیوں کی مدد کے لیے مذکورہ بازار کی طرف کوچ کر دیا ۔ شہریوں اور صلیبیوں میں لڑائی چھڑ گئی جس کا خاتمہ اس طرح ہُوا کہ شہر کے قلعے پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا جنھوں نے چار ہزار ہنگری سپاہی، جو اس قلعے کی حفاظت پر مامور تھے، ہلاک کر دیے ۔ یہ قتلِ عام ہولناک بھی تھا اور ناقابلِ معافی بھی ۔

بورِیَل کو محسوس ہُوا کہ یہ بہت بُرا ہُوا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب ڈینیوب کے کنارے کنارے تیز رفتار سے چل کر بازنطینی علاقے میں داخل ہو جانا چاہیے۔ صلیبیوں کا ہنگری میں مزید ٹھہرنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا کیونکہ یقین تھا شاہِ ہنگری صلیبیوں کی سرکوبی کے لیے بہت جلد فوج اِدھر روانہ کر دے گا۔ مگر دریا پار کرنے کے لیے جتنی کشتیاں فراہم ہو سکیں وہ ناکافی ثابت ہوئیں اس لیے بُورِیَل نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ سملین کے لکڑی کے بنے ہوئے مکانوں کو توڑ ڈالو اور جتنی لکڑی اس طرح حاصل ہو اس سے کشتیوں کے لیے تختے نکال لو۔

بلغراد کا بازنطینی گورنر دریا کے پرلے کنارے پر کھڑا سملین کی تباہی و بربادی کا یہ منظر خوف اور دہشت کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس اتنے آدمی نہیں تھے جتنے صلیبیوں کو، ان کے اُدھر اُترنے کے بعد، قابُو میں رکھنے کے لیے درکار تھے اس لیے وہ اپنے بھروسے کے چند آدمیوں کو یہاں چھوڑ کر کمک حاصل کرنے کے لیے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ بلغراد کے باشندے دہشت زدہ اور سراسیمہ ہو کر بھاگے اور پہاڑوں میں جا چھُپے۔ صلیبیوں نے دریا پار اُترتے ہی سب سے پہلے گھاٹ پر اُن آدمیوں کی گردنیں کاٹیں، پھر سنسان شہر کو تاراج کیا اور اس کے بعد اسے آگ لگا دی۔

یہاں سے پطرس کا یہ "لشکر" وادیٔ موراوا کے پہاڑی جنگلوں کو

ایک ہفتے میں طے کرکے نیش پہنچ گیا مگر یہاں ایک بازنطینی جرنیل ایک طاقتور فوج لیے اس کی آمد کا منتظر کھڑا تھا اور اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اس سے کوئی لغویت سرزد نہیں ہونے دے گا چنانچہ جونہی صلیبی لشکر شہر میں داخل ہُوا' اس نے جوفرے بُوریل اور والٹر آف بیرے ٹوٹیل کو بطور یرغمال گرفتار کر لیا تاکہ باقی صلیبی غلط رویہ اختیار نہ کریں ۔ اس جرنیل نے اس کا بھی انتظام کیا کہ جب یہ لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں خرید چکیں تو یہاں سے فوراً چلتے بنیں۔ اس کی ان احتیاطی تدبیروں کی وجہ سے آخر تک ایسا معلوم ہوتا رہا جیسے کوئی سنگین حادثہ رُونما نہ ہوگا لیکن جب صلیبیوں کا آخری گروہ نیش میں داخل ہُوا تو کچھ جرمنوں نے' جو پچھلی رات ایک بازار میں ہلڑ مچا چکے تھے' لکڑی کے بنے ہوئے چند مکانوں میں آگ لگا دی۔ بازنطینی فوج کے سپاہیوں نے فوراً موقعے پر پہنچ کر ان صلیبیوں کو گرفتار کر لیا جو وہاں موجود تھے ۔ اس پر چند صلیبی اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کے لیے وہاں جا پہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی ۔

پطرس راہب جس دستے کے ساتھ تھا وہ ابھی شہر سے ایک میل دُور تھا ۔ جب اس نے یہ ہولناک افواہ سُنی کہ بازنطینیوں نے اس کے آدمیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا ہے تو اس نے اپنے خچّر کو زیادہ سے زیادہ تیز دوڑایا تاکہ بازنطینی جرنیل سے مل کر لڑائی رکوا سکے۔ لیکن اس کا وقت گزر چکا تھا ۔ جب وہ موقعے پر پہنچا اس وقت

صلیبی فوج کا عقبی محافظ دستہ شہر پر ہلّہ بول چکا تھا اور اس پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

بازنطینی بہت جھلّائے ہوئے تھے۔ انھوں نے بڑا سخت جوابی حملہ کیا اور چونکہ یہ حملہ ایک ایسی فوج نے کیا جو تربیت یافتہ تھی جبکہ پطرس کی فوج اناڑیوں کی بھیڑ تھی اس لیے یہ اس حملے کی تاب نہ لاسکی۔ جس کا جدھر مُنہ اُٹھا اُدھر بھاگ کھڑا ہُوا۔ پطرس نے اپنے پانچ سو ساتھیوں سمیت ایک ٹیلے پر چڑھ کر جان بچائی۔ مصیبت کی یہ رات انھوں نے جنگل میں کاٹی۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ بس ہم ہی زندہ بچے ہیں لیکن چند روز بعد کم و بیش آٹھ ہزار صلیبی اور بھی اِدھر اُدھر سے وہاں آن جمع ہوئے۔ یہ سب بھُوکے مر رہے تھے اور افسردگی سے نڈھال تھے۔ غرض یہ جنگ صلیبیوں کے لیے بڑی تباہ کُن ثابت ہوئی۔ ان کے ایک چوتھائی آدمی مارے گئے یا لاپتا ہوگئے، بیشتر چھکڑے ضائع ہوگئے یا گُم ہوگئے اور ان کے ساتھ وہ گاڑیاں بھی گئیں جن پر سامانِ جنگ لدا ہُوا تھا۔ ان کے علاوہ فرانس اور جرمنی میں جو خطیر رقم جمع ہوئی تھی وہ بھی ضائع ہوگئی۔ یہ رقم خوراک اور رسد خریدنے کے لیے تھی۔

جب صلیبی نیش سے چلے تو ان کی حالت یہ تھی کہ دل بُجھے ہوئے تھے اور ایک کوڑی پلے نہ تھی۔ اوپر سے بازنطینی دستے بھی رگیدر رہے تھے۔ انھیں کسی جگہ تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت

نہیں تھی۔ اس خیال سے کہ یہ بَلا جلد از جلد ٹلے بازنطینی ان کے لیے خوراک اور سواری کا بندوبست کر دیتے کیونکہ نیش میں ان کے سارے گھوڑے اور خچّر ہلاک یا گُم ہو چکے تھے۔ صلیبی بھاگم بھاگ وادیٔ مرتسا اور تھریس کے علاقے میں پہنچے۔ اس وقت انھیں ضرور ایسا محسوس ہو رہا ہوگا جیسے وہ جنگی قیدی ہیں جو اسیری کی حالت میں چل رہے ہیں۔

جب اگست میں وہ قسطنطنیہ پہنچے تو بازنطینی شہنشاہ الیکسیَس نے بڑی خوش خلقی سے ان کی پذیرائی کی لیکن وہ پطرس کے اس پراگندہ حال اور سرکش لشکر کی حالت دیکھ کر، جو پُوری طرح مُسلّح بھی نہیں تھا، ہیبت زدہ ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے مسلمان بڑی آسانی سے ختم کر دیں گے اس لیے اس نے پطرس کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اس وقت تک قسطنطنیہ ہی میں رُکا رہے جب تک اڈمار کے سردار اور تربیت یافتہ سپاہی بھی نہ پہنچ جائیں لیکن پھر بہت جلد وہ بھی یہی کہنے لگا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ پطرس کے آدمی پھر اپنی پُرانی حرکتوں پر اُتر آئے۔ وہ قسطنطنیہ کو دُنیا کا سب سے زیادہ دولتمند اور شاندار شہر تصوّر کیے ہوئے تھے چنانچہ اب اس کی دولت لُوٹنے کی ہوس میں انھیں خود پر قابُو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایسا جاتا ہو جس میں یہ لوگ فساد نہ کرتے ہوں۔ انھوں نے لُوٹ مار

شروع کر دی، عورتیں اُٹھانے لگے، اور شہر کی فصیل کے باہر خوش حال مضافاتی علاقوں کے گرجوں کے خزانے لوٹنے شروع کر دیے۔ ایک ہی ہفتے میں شہنشاہ ان سے تنگ آگیا۔ اُس نے ان سے چھٹکارا پانے کے لیے انھیں بازنطینی بحریہ کے جہازوں پر سوار کرایا اور باسفورس کے راستے ایشیا میں پہنچا دیا۔

پطرس کے صلیبی جونہی ایشیا میں پہنچے انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اب دشمن کے علاقے میں ہیں چنانچہ جہاں پہنچے تاخت و تاراج کی اور مقامی باشندوں سے ڈھور ڈنگر چھین لیے۔ مگر جن لوگوں کو یہ صلیبی لوٹ رہے تھے وہ بازنطینی علاقے کے عیسائی باشندے تھے۔ بہت جلد صلیبی "مجاہد" ڈاکو اور لٹیرے بن گئے اور بڑی تیزی سے پطرس کے قابو سے باہر ہوتے گئے۔ جب یہ بحیرۂ مارمورا سے آگے بڑھے تو ان میں کے فرانسیسیوں، جرمنوں اور اطالویوں میں آپس میں جھگڑے شروع ہوگئے۔ یہ لوگ قسطنطنیہ میں صلیبیوں سے آکر ملے تھے۔ ان جھگڑوں نے بہت جلد نازک صورت اختیار کر لی۔ اس ٹولی نے، جس میں جرمن اور اطالوی تھے، اطالوی سردار رینالڈ کو اپنا قائد بنا لیا تھا اور اس کے بعد پطرس کے احکام ماننے سے انکار کرنے لگے تھے۔ پھر بھی ابھی تک پطرس فرانسیسیوں کا سربراہ سمجھا جاتا تھا گو نام ہی کا سربراہ تھا، مگر اب وہ بھی اس سے کٹنے لگے۔ انھوں نے جوفرے بُوریل کو اپنا سردار بنا لیا، جو سملین میں انتہائی احمقانہ حرکتیں کر چکا تھا۔ ان دونوں

ٹولوں نے شہر سیوے ٹوٹے میں الگ الگ مستقر بنائے۔ یہ چھوٹا سا شہر دریائے ڈریکن کے ڈیلٹے کے سرسبز و شاداب علاقے میں واقع تھا جہاں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

جوفرے بوریل پہلا عیسائی تھا جس نے جنگی اقدام کیا۔ وہ ستمبر کے وسط میں کئی ہزار فرانسیسیوں کو لے کر لشکرگاہ سے نکلا اور اس نے نیقیہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جہاں ایک تُرک حکومت کرتا تھا اور خود کو سلطانِ رُوم کہلواتا تھا[۱]۔ اس سلطان کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ یہ صلیبی حملہ آوروں سے لڑنے کے لیے نکلی لیکن بہت جلد پسپا کر دی گئی اور فرانسیسی بہت سا مالِ غنیمت اور مویشی لے کر سیوے ٹوٹ واپس پہنچے۔ یہ مالِ غنیمت دیکھ کر رینالڈ کے جرمن اور اطالوی صلیبیوں کی بھی رال ٹپکنے لگی اور مہینے کے آخر تک وہ بھی نیقیہ پر چڑھ دوڑے۔ مگر جب فصیل کے پاس پہنچے تو انھیں اندازہ ہُوا کہ اس کا توڑنا کارے دارد ہے چنانچہ کترا کر عربوں کے علاقے میں داخل ہوگئے تاکہ لُوٹ مار کر سکیں۔

شروع شروع میں تو ایسا معلوم ہُوا کہ یہ فرانسیسیوں سے بھی زیادہ بامُراد لَوٹیں گے۔ زیریگورڈن کے قلعے کا حفاظتی دستہ اتنا مختصر تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ غرض اس قلعے پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا جس پر

---

[۱] اس کا ذکر پہلے کسی جگہ حاشیے کی شکل میں کیا جا چکا ہے (مترجم)

یہ بہت خوش ہوئے[1] - اصل میں یہ قلعہ سلطان کے سامانِ رسد اور اسلحہ کی ذخیرہ گاہ تھا - اس کے گودام اناج سے اور تہ خانے ہتھیاروں سے بھرے ہوئے تھے - رینالڈ نے ازراہِ تعلّی سیوے لُوٹ میں کہلوا بھیجا کہ زیریگور ڈن بڑی عُمدہ جگہ ہے - مَیں اسے اپنا مُستقر بنا کر یہاں سے سلطان کے علاقوں کو تاراج کرنا شروع کروں گا مگر اس بات کی طرف اُس کا دھیان نہیں گیا کہ قلعے میں جو پانی استعمال کیا جاتا ہے، یہ کہاں سے آتا ہے؟ آیا اس کنویں سے لیا جاتا ہے جو صدر دروازے کے باہر ہے یا کسی ایسے چشمے سے آتا ہے جو اس پہاڑی کی تلہٹی میں ہے، جس پر یہ قلعہ بنا ہُوا ہے - ۲۹ ستمبر کو تُرک اپنا قلعہ دشمن سے چھیننے کے لیے وہاں پہنچے لیکن انھوں نے اس پر ہلّہ نہیں بولا صرف یہ کیا کہ رینالڈ کے آدمیوں کو قلعے سے باہر نہیں نکلنے دیا اور خود کنویں اور چشمے کا راستہ روک کر بیٹھ گئے -

دن گزرتے گئے - اس اثنا میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی - قلعے کے اندر پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا - صلیبی پیاس کی شدّت کی وجہ سے دیواروں اور فرش کی نمی چاٹنے لگے اور پھر گڑھوں اور تلیّوں کو چاٹ چاٹ کر پیاس بجھانے کی کوشش کرنے لگے - اور اب بھی کام

---

[1] فرانسیسی مورّخ میجاڈ نے لکھا ہے کہ اس جگہ عیسائیوں نے مٹھی بھر عاجز اور بے سہارا مسلمانوں پر شدید ظلم توڑے - "اندھاپن، تعصب اور مطلق العنانی" ان تینوں کے یکجا ہو جانے کے بعد صلیب کے جھنڈے تلے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا گیا کہ قدرت بھی کانپ اُٹھی ہو گی"

نہ بنا تو اپنے گھوڑوں اور خچّروں کو ذبح کرکے پانی کے بجائے ان کا خون پینے لگے یہاں تک کہ آٹھویں دن رینالڈ کے آدمیوں میں لڑنے کی سکت نہ رہی اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

ترکوں نے اُن صلیبیوں کو زندہ رہنے دیا جو مسلمان ہوگئے باقیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ رینالڈ اور اس کے بہت سے ساتھی مسلمان ہوگئے۔ تُرکوں نے ان میں سے کچھ کو حلب اور کچھ کو انطاکیہ بھیج دیا، جہاں وہ غلاموں کی طرح بِک گئے۔ اس کے بعد ان کے بارے میں پھر کبھی کچھ سُننے میں نہ آیا[1]۔ سلطان نے رینالڈ کی حماقت سے مزید

---

[1] زیریگورڈن کے قلعے، اس قلعے کے مالک ترک سلطان اور یہاں کی لڑائی کے بارے میں مصنف کا بیان تشنہ ہے۔ ان باتوں کی تفصیل یہ ہے کہ پطرس کے صلیبیوں کے سرداروں میں سے ایک سردار رینالڈ یا رینالڈو جو نسلاً اطالوی تھا، جرمنوں کا ایک زبردست لشکر لے کر نیقیہ (نیسیا) کی طرف نکل گیا اور اس شہر کے قریب زیریگورڈن کے خالی قلعے پر قابض ہوگیا۔ اس نے قلعے کے مٹھی بھر عاجز مسلمانوں پر بڑے ظلم کیے۔ نیقیہ سلجوقی ترکوں کا علاقہ تھا اور ارضِ روم کہلاتا تھا۔ الپ ارسلان کے زمانے میں فتح ہوکر اسلامی خلافت کا جُزو بنا تھا۔ جس نے سلیمان بن قلتمش بن اسرائیل بن سلجوق کو اس کا حاکم مقرر کیا تھا۔ سلیمان کے بعد اس کے خاندان میں پندرہ بادشاہ ہوئے۔ قونیا ان کا دارالخلافہ تھا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کے علاقے سے ان کا علاقہ ملتا تھا اس لیے لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جس زمانے میں صلیبی بازنطینی علاقے میں وارد ہوئے اس علاقے کا حکمران قلیج ارسلان تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے کیا حرکت کی ہے تو اس نے تھوڑی سی فوج بھیج دی۔ بقول مجاڈ" عیسائی اس فوج کا پہلا حملہ بھی برداشت نہ کرسکے اور سب کے سب مارے گئے۔ ان کے جرنیل اور چند سپاہیوں نے اپنی جانیں محمّد کا دین قبول کرنے اور عیسائیوں کے خلاف لڑنے کی شرمناک قسم کھا کر بچائیں۔"

فائدہ یہ اُٹھایا کہ سیوے ٹوٹ کی صلیبی لشکرگاہ میں اپنے جاسوس بھیج کر وہاں یہ افواہ پھیلوا دی کہ رینالڈ نے نیقیہ فتح کر لیا ہے اور اس شہر کو خوب لُوٹا ہے۔ اور اسی کے ساتھ دریائے ڈریکن کے تنگ راستوں اور گھاٹیوں میں جگہ جگہ اپنے سپاہی کمین گاہ میں بٹھا دیے۔ سیوے ٹوٹ نیقیہ کو آنے والا راستہ انھیں گھاٹیوں میں سے گزرتا تھا۔

صلیبی لشکر میں اس وقت تک پطرس راہب کو فرانسیسیوں کی قیادت سے بالکل ہی محروم کیا جا چُکا تھا۔ وہ بھاگا بھاگا قسطنطنیہ پہنچا کہ شہنشاہ سے تربیت یافتہ سپاہی مانگ کر لائے اور ان کے دباؤ سے اپنے پیرووں کو ٹھیک کرے۔ والٹر ابھی تک سیوے ٹوٹ ہی میں تھا اور پطرس کی وفاداری کا دم بھرتا تھا لیکن سپاہی اسے نہیں بلکہ جوفرے بُوریَل کو قائد مانتے تھے۔ والٹر نے اس افواہ پر اعتبار نہیں کیا کہ رینالڈ نے نیقیہ فتح کر لیا ہے۔ اس نے صلیبیوں کو یہی صلاح دی کہ وہ پطرس کے واپس آنے تک یہیں رُکے رہیں اور نیقیہ کا رُخ نہ کریں مگر جوفرے بُوریَل نیقیہ پر فوراً چڑھ دوڑنا چاہتا تھا تاکہ فرانسیسی مالِ غنیمت میں سے اپنا حصّہ وصول کر سکیں۔ جب صلیبی نیقیہ کی طرف کوچ کر رہے تھے اس وقت معلوم ہُوا کہ رینالڈ کا کیا انجام ہُوا ہے۔ لیکن یہ خبر سُن کر جوفرے نے یہ کہا کہ اب ہمیں زیریگورڈن کا انتقام لینا ہے، اس سے بڑی بُزدلی اور حماقت اور کیا ہوگی کہ ہم بدنامی کے اس دھبّے کو اپنے دامن سے دھونے کی کوشش نہ کریں! والٹر نے

اعتراضات کیے مگر انھیں کون سُنتا !

صلیبیوں میں سے ہر وہ شخص جو ہتھیار اُٹھا سکتا تھا جوفرے بوریل کے ساتھ ہولیا ۔ صرف بوڑھے، بچّے اور عورتیں یا وہ بیمار پیچھے رہ گئے جو ہلنے جُلنے سے معذور تھے ۔ صلیبی اس طرح چلے جارہے تھے جیسے تفریح کرنے نکلے ہیں ۔ نہ کوئی ترتیب تھی نہ طلایہ کا انتظام اور نہ محافظ دستے ساتھ تھے ۔ یہ لوگ ترُکوں کے بچھائے ہوئے دام میں گھُستے چلے گئے ۔ اُدھر ترُک قصبۂ ڈریکن سے تین میل کے فاصلے پر چوکس بیٹھے تھے ۔ ان کی کمین گاہیں ٹھیک اس مقام پر تھیں جہاں سے دریا اور نیقیہ کا راستہ گزرتا تھا ۔ اس مقام کے تنگ راستوں پر گھنے جنگل میں ترُک چھُپے ہوئے تھے ۔

صلیبیوں کا ایک بہت بڑا لشکر گھاٹی میں سے گزرا ۔ اس کے سردار اور گھُڑسوار لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے ۔ ہر ایک نے سپر شانے پر رکھ چھوڑی تھی اور کلاہ، بھاری اسلحہ اور زرہ گھوڑوں کی زین سے بندھے ہوئے تھے ۔ ان کے پیچھے پیچھے پیادے ہنستے ہنساتے اور باتیں کرتے چلے جارہے تھے ۔

ترُک آخری لمحے تک ہاتھ روکے رہے ۔ جب صلیبیوں کا پُورا لشکر ان کی زد پر آگیا تو انھوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کردی ۔ عیسائی نائٹوں میں سے ایک چوتھائی ہلاک اور گھوڑوں میں سے نصف سے زیادہ ہلاک یا اپاہج ہوگئے ۔ والٹر اور بہت سے اَور آزمودہ سردار مارے گئے ۔

جوفرے بُورئِل نے اپنا گھوڑا موڑا اور بُزدلوں کی طرح بھاگ کھڑا ہُوا۔ باقی نائٹ زخمی ہوکر افراتفری کے عالم میں اپنے ہی آدمیوں کو روندتے ہوئے بھاگنے لگے۔ پھر جب مسلمانوں نے باقاعدہ حملہ کیا تو اَور زیادہ ابتری پھیل گئی۔ چند لمحوں کے اندر اندر صلیبیوں کی ساری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور صلیبیوں کی گردنیں اس طرح کاٹیں جس طرح حیوانوں کو ذبح کرتے ہیں۔

تین ہزار صلیبی چند زخمی سُورماؤں کی رہنمائی میں کسی نہ کسی طرح بچ کر سیوے ٹوٹ پہنچے۔ باقی سات ہزار گاجر مُولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیے گئے۔[1] لشکر گاہ میں جو بیمار اور بُوڑھے رہ گئے تھے انھیں بھی مار ڈالا گیا۔ عورتیں اور بچّے بازار میں لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے۔[2]

شہنشاہِ قسطنطنیہ الیکسیس نے بچے کھچے صلیبیوں کو قسطنطنیہ واپس لانے

---

[1] مچاڈ نے بھی "صلیبی جنگوں کی تاریخ" میں زیرِ نگورڈن کی جنگ کے بارے میں یہی لکھا ہے۔ "پطرس اور والٹر کے ماتحت عیسائیوں کی جو فوج تھی اس کے سردار اور سپاہی ان مقتول عیسائیوں کا جو انجام ہُوا تھا اس کا حال سُن کر خون کے آنسو روئے اور انھوں نے ان کا بدلہ لینے کے لیے بڑی بیتابی ظاہر کی۔ والٹر نے ان کو بہت سمجھایا کہ پہلے صلیبیوں کی طرح غلطی کر کے خود کو ہلاک نہ کریں مگر انھوں نے جوش میں کسی کی نہ مانی اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ والٹر بڑی بددلی کے ساتھ اس ضدی انبوہ کو نیقیہ کی طرف لے گیا لیکن اس نادانی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خود والٹر بھی سات تیروں سے چھد کر مارا گیا اور تین ہزار آدمیوں کے سوا، جنھوں نے سمندر کے قریب ایک قلعے میں پناہ لی، تمام فوج ایک ہی معرکے میں ماری گئی۔"

[2] اس زمانے میں دُنیا بھر میں یہی دستور تھا۔

کے لیے ایک بحری بیڑا سیلوے ٹوٹ بھیجا۔ قسطنطنیہ میں انھیں غیر مُسلح کرکے ان کے قیام کا بندوبست کر دیا گیا تاکہ تازہ دم صلیبی سُورماؤں کے پہنچنے کا انتظار کریں۔ اب ان کا کس بل ختم ہو چکا تھا کم ازکم وہ دنگا فساد اور ہُلّڑ بازی کرکے بازنطینی باشندوں کو تنگ نہ کر سکتے تھے۔

بعد میں یہ لوگ نئے صلیبی سورماؤں کے پیادوں میں بھرتی ہوگئے لیکن وہ ان کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کے سرِعسکر کا نام ہی "شاہِ اوباشاں" رکھ دیا تھا۔ یہ لوگ پھٹے ہوئے جُوتے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے صلیبی فوج کے ساتھ گھسٹتے پھرتے، چھوٹی چھوٹی بوریاں جو ضروری سامان سے بھری ہوتی تھیں، ان کی گردنوں پر رکھی ہوتیں اور بدن دُھوپ سے تپتا ہوتا۔ ان کی گزربسر چوری چکاری اور لُوٹ مار پر تھی۔ فوجی کیمپوں میں گھس کر چوریاں کرتے، میدانِ جنگ میں لاشوں کو لُوٹتے۔ جب کبھی فوجوں میں کوئی بیماری پھیلتی یا قحط پڑتا تو پہلا نشانہ یہی لوگ بنتے۔ ان میں سے چند ہی اپنے گھروں کو واپس جا سکے۔

جیوفرے نے اپنا گھوڑا گھمایا اور بزدلوں کے فرار کی قیادت کی

ایک صلیبی بادشاہ بن گیا

اب وہ سردار، نواب اور امرا، جنھوں نے اڈمار کے سامنے صلیب ہاتھ میں لے کر یہ عہد کیا تھا کہ صلیبی جنگ میں شریک ہوں گے، پطرس کی مہم کے خاتمے کے بعد، قسطنطنیہ میں جمع ہونے شروع ہوئے۔ شہنشاہ الیکسیس کو ان کی آمد سے حالات بہتر ہونے کی امید بندھی لیکن بہت جلد وہ ان کی طرف سے بھی مایوس ہوگیا۔

سب سے پہلے شاہِ فرانس کے چھوٹے بیٹے نے قسطنطنیہ کا رُخ کیا تو اس نے یہ مطالبہ کیا کہ میرا شاہانہ استقبال کیا جائے لیکن ایڈریاٹک عبور کرتے میں اس کا جہاز طوفان میں گھر کر تباہ ہوگیا اور وہ قسطنطنیہ میں اس ہیئت میں داخل ہُوا کہ تن کے کپڑوں کے سوا اور کوئی چیز اس کے پاس نہ تھی۔ پھر وہ جن سورماؤں کو اپنے ساتھ لایا تھا وہ بھی بہت بُرے لوگ نکلے۔ ان میں کئی جرمن ایسے تھے جو صلیبی بننے سے پہلے رہزنی کرتے تھے۔ الیکسیس کو یہ شاہزادۂ والاتبار اور اس کے رفقائے نامدار قابلِ اعتبار نظر نہ آئے

اس لیے اس نے ان کو بہ ظاہر نرمی سے لیکن عملاً نہایت سختی سے حوالات میں بند کر دیا تاکہ یہ کوئی فتنہ نہ اُٹھا سکیں۔

صلیبیوں کی اگلی ٹولی گوڈفرے ڈی بوئیلون[1] کی قیادت میں قسطنطنیہ پہنچی۔ یہ شخص اونچے قد کا شہزور انسان تھا۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے سُنہرے بالوں سے بازنطینی بہت متاثر ہوئے کیونکہ ان کا رنگ سانولا تھا۔ وہ دولت مند بھی تھا اور آٹھ ہزار آدمی ساتھ لایا تھا۔ الیکسیس نے اسے بہت پسند کیا لیکن گوڈفرے کو نہ الیکسیس پسند آیا نہ اس کی یہ روش پسند آئی کہ اس نے شاہِ فرانس کے بیٹے کو حوالات میں بند کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسے یہ بات بھی پسند نہ آئی کہ اس سے اس کے سپاہیوں کی خوراک کے دام وصول کیے جائیں۔ چونکہ اس کے خیال میں وہ الیکسیس کی خاطر مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا اس لیے اس کے سپاہیوں کے قیام و طعام کا بندوبست الیکسیس ہی کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن شہنشاہ الیکسیس نے مفت رسد

---

[1] "گوڈفرے لورین کا نواب تھا۔ چونکہ یہ شخص اپنی قوتِ بازو اور جنگجوئی کے لیے مشہور تھا اس لیے اس کے صلیبیوں میں شامل ہونے سے امراء میں اس سے بھی زیادہ والہانہ پن پیدا ہوگیا جتنا اس سے پہلے عوام الناس میں پایا جاتا تھا۔ سامانِ جنگ بہت گراں ہوگیا۔ ایک بڑی جاگیر فروخت کرکے بھی ایک سوار کا سامانِ جنگ مہیا نہ ہوتا تھا۔ عورتوں نے اپنے بیش قیمت زیور اپنے خاوندوں اور بیٹوں کے لیے سامانِ جنگ بہم پہنچانے کی غرض سے بکوا دیے۔ امیروں نے اپنی موروثی جاگیریں اور جائدادیں جنھیں ہزار انسانوں کا خون بہ جانے پر بھی نہ چھوڑتے آلاتِ جنگ کے معاوضے میں دے دیں۔ اس وقت دنیا میں سونا اور فولاد ہی قابلِ حصول چیزیں معلوم ہوتی تھیں۔" (صلیبی جنگوں کی تاریخ از مجاد۔ صفحہ ۷۷)

فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ گوڈفرے کے سپاہیوں نے شہر کے مضافات کو تاراج کرنا شروع کر دیا اور ایسٹر کے ہفتے میں تو شہر پر حملہ ہی کر دیا۔ بازنطینی فوج نے ان کا مقابلہ کیا اور انھیں ان کی لشکرگاہ میں دھکیل دیا اور اس کے بعد بہت جلد انھیں جہازوں میں بٹھا کر آبنائے باسفورس سے گزار کر اپنے علاقے سے دفع کر دیا۔

مگر اس کے بعد بھی یہی ہوتا رہا۔ صلیبی جنگ آزماؤں کی ہر نووارد ٹولی بازنطینیوں کے لیے ایک نئی مصیبت لاتی۔ جنوبی فرانس کے صلیبیوں کا جو دستہ ریمنڈ آف تلوز کی سرکردگی میں آیا اس نے بازنطینی شہر رُوسّا کو پہلے لُوٹا پھر نذرِ آتش کر دیا۔ الیکسیس کو کچھ پتا نہ چلتا تھا کہ جو صلیبی آئے ہیں یہ اس کے دوست ہیں یا دُشمن؟ جب اُن کا آخری قافلہ ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوگیا تب کہیں جاکر اس نے چین کا سانس لیا۔

بالآخر مختلف صلیبی سرداروں کی فوجیں کالسڈون میں جمع ہوئیں۔ ان کی کُل تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ سردار، تیرانداز، سپاہی، مسلح سوار، باورچی، نانبائی، سائیس، لوہار اور اسلحہ ساز سب اس میں شامل تھے[1]۔

یہ لوگ اس سیوے ٹوٹ کے قریب سے گزرے جہاں پطرس کے

---

[1] جتنی کل فوج مسلمانوں سے جنگ کے عزم سے یورپ سے مشرق کی طرف روانہ ہوئی اس کی تعداد ایک لاکھ سوار اور پانچ لاکھ پیادے تھی۔ اور یہ سب یورپ کی جنگجو قوموں کی فوجوں کے چیدہ سوار اور پیادے تھے۔ (صلیبی جنگوں کی تاریخ از مجاڈ۔ صفحہ ۹۸)

گاڈفرے نے اہل قسطنطنیہ کو مسحور کر لیا

پیروؤں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ پھر نیقیہ پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ سلطانِ نیقیہ اس وقت شہر سے باہر گیا ہُوا تھا۔ لیکن اس نے واپس آنے میں جلدی نہیں کی گو اس کی ملکہ، شہزادے اور خزانہ شہر کے اندر ہی تھے۔ اس نے یہ سوچا کہ اب کے بھی اسے ویسے ہی لوگوں سے نبٹنا ہے جیسے پطرس کے آدمی تھے۔ اس لیے انھیں مار بھگانے میں اسے چنداں دشواری پیش نہ آئے گی۔ اس نے ایک مہینا لڑے بھڑے بغیر گزار دیا لیکن جب واپس آیا تو یہ دکھانے کے لیے کہ وہ عیسائیوں کو کچھ مال نہیں سمجھتا، فوراً حملہ کر دیا حالانکہ اسے چاہیے تھا کہ پہلے اپنے سواروں کو آرام کر لینے دیتا اس کے بعد حملہ کرتا مگر وہ سیدھا عیسائیوں کی لشکرگاہ پر جا چڑھا اور اس پر براہِ راست حملہ کر دیا۔

عیسائی تو تیار ہی تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مُسلمانوں کی گھُڑسوار فوج ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے تو جلدی سے صفیں باندھ کر اپنے لمبے لمبے نیزے سنبھالے اور ان پر حملہ کر دیا۔ اور حملہ کیا کیا سلطان کے شہسواروں کی صفوں کو اس طرح چیر کر رکھ دیا جیسے چاقو مکھّن میں سے گزُر جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اُس وقت تک کبھی ایسے لوگوں سے جنگ کرنے اتفاق نہ ہُوا تھا جو ان سرداروں کی طرح سر سے پاؤں تک فولاد پوش ہوں اور بھاری نیزے کے ساتھ جنگ کا تو تصوّر ہی ان کے لیے نیا تھا۔ وہ جس جنگ کے عادی تھے، وہ

گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کمان اور شمشیر سے لڑی جاتی تھی - ان کا لباس بہت ہلکا ہوتا تھا - اسلحہ بھی سُبک ہوتے تھے - سر پر آہنی خود پہنتے تھے مگر سینے پر زرہ ہلکی ہی ہوتی تھی جس کے ساتھ چار آئینہ ساق بند ہوتے تھے - یہی ان کا جنگی لباس تھا - ان کی سپریں چھوٹی اور گول ہوتی تھیں جن کے کناروں پر چمڑا منڈھا ہوتا تھا اور وسط میں دھات کا ایک پترا ہوتا تھا جس کی جسامت رکابی کے برابر ہوتی تھی - ان کی تلوار صلیبیوں کی تلوار سے زیادہ نفیس لوہے کی بنی ہوتی تھی لیکن جسامت میں اس سے آدھی تھی - اس کے برعکس صلیبیوں کی تلوار لمبی چوڑی ہوتی تھی جو بڑی آسانی سے آہنی زرہ اور مضبوط زین کے ٹکڑے اُڑا دیتی تھی - صلیبی اپنی ان تلواروں سے مسلمانوں کی سپروں اور زینوں کو اس طرح کاٹ رہے تھے جیسے کاغذ کاٹا جاتا ہے - اور جب عیسائی ان پر اپنے بھالے لے کر پل پڑے تو مسلمان تاب نہ لاکر راہِ فرار اختیار کرنے لگے -

وہ بھاگتے میں کئی مرتبہ پلٹے ضرور، لیکن جونہی صفیں باندھ کر آگے بڑھے صلیبی ایک طوفان کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُنھوں نے مسلمانوں کی صفیں توڑ کر رکھ دیں - سلطان عیسائیوں کے لڑائی کے ڈھنگ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ بھاری نقصان ہو رہا ہے تو سراسیمہ ہوکر بھاگ نکلا اور کوہستانی علاقے میں پناہ لی - اس طرح اس نے نیقیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا -

شہر کے باشندوں نے اسے میدان چھوڑتے دیکھا تو ہتھیار ڈال دینے کو تیار ہو گئے۔ لیکن اس جنگ کے اگلے دن صلیبیوں سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ انھوں نے لڑائی میں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کے سر کاٹے اور دیواروں پر سے شہر کے اندر پھینک دیے۔ اس حرکت سے ان کا مقصد یہ تھا کہ شہر کا دفاع کرنے والے مسلمان دہشت زدہ ہو کر جلد از جلد ہتھیار ڈال دیں لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ شہر والوں کو یقین ہو گیا کہ حملہ آور وحشی ہیں، یہ ہمیں امان نہیں دیں گے۔ چنانچہ چپکے چپکے بازنطینیوں سے رابطہ قائم کیا اور شہر اُن کے حوالے کر دینے کا بندوبست کر لیا۔

ایک صبح صلیبی بیدار ہوئے تو ان کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ نیقیہ کے قلعے پر بازنطینی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بازنطینی فوجیں رات کے وقت شہر میں داخل ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں کو یہ مالدار شہر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے سے چھنتا دیکھ کر غصّہ تو خیر آنا ہی تھا لیکن مُسلمان قیدیوں کے ساتھ بازنطینی شہنشاہ کا جو برتاؤ دیکھا اس سے تو ان کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ چونکہ آج کا دشمن کل اتحادی بن کر اس دشمن کے خلاف مدد بھی دے سکتا ہے جو پہلے دوست تھا اور چونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کب کسی دشمن کو دوست بنانے کی ضرورت پیش آجائے گی اس لیے بازنطینی شہنشاہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب حالات اپنے حق میں ہوں اس حالت میں بھی دُشمن

سے بُرا سلوک نہیں کرنا چاہیے، اسی لیے اس نے مسلمانوں سے مناسب فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا تھا اور سلطان کی بیوی اور اس کے بچّوں کو مہمانوں کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچا دیا تھا۔

اس کا یہ طرزِ عمل صلیبیوں کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ عیسائی تھے اور مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے، شہنشاہ بھی عیسائی تھا۔ پھر اس نے مسلمان قیدیوں کو رِہا کیوں کر دیا؟ وہ برافروختہ ہو گئے اور اُسے غدّار سمجھنے لگے۔

الیکسیئس نے سلطان کے خزانے کا بڑا حصّہ صلیبیوں کو دے کر انھیں راضی کرنا چاہا لیکن اس سے وہ اَور بھی بھڑک اُٹھے۔ انھوں نے سوچا کہ وہ انھی کا مال انھیں تحفے کے طور پر دے رہا ہے۔ گویا ان کے ساتھ مخول کر رہا ہے۔

جب صلیبی لشکر ایشیائے کوچک کے وسطی حصّے سے انطاکیہ کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت سلطان نے ایک بار پھر ان پر حملہ کیا۔ اس حملے کے لیے اس نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جو بنجر تھی۔ اس میں گنتی کے چند کنویں تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے دُور دُور تھے۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ عیسائی لشکر اس مقام سے دو یا دو سے زیادہ حصّوں میں تقسیم ہو کر گزرے گا تاکہ ریگستان کو سہولت سے پار کر سکے اور اگر پُورا لشکر ایک ساتھ گزرا تو یہ کنویں کافی نہیں ہوں گے چنانچہ جہاں راستہ ختم ہوتا تھا وہاں دریا کے

قریب تاک میں بیٹھ گیا تاکہ دشمن کے ہر حصّے کو ایک ایک کر کے شکنگوا تا رہے۔ اور اُس کا یہ منصُوبہ قریب قریب کامیاب بھی ہوگیا۔

صلیبیوں نے سب سے پہلے اپنے تیراندازوں اور پیادوں کو گزارا۔ جب سلطان کی فوج نے ان پر حملہ کیا تو انھوں نے پُورے ایک دن اس کا مقابلہ کیا۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ان کی کمانیں مسلمانوں کی کمانوں سے زیادہ لمبی اور ان کے تیر بھی مسلمانوں کے تیروں سے زیادہ لمبے تھے۔ ان کمانوں سے صلیبی تیرانداز دو سو چالیس گز دُور تک کے آدمی کو گرا لیتے تھے۔ اس کے برعکس مسلمان تیرانداز تیر اور کمان چھوٹے ہونے کے باعث ایک سو ساٹھ گز سے زیادہ فاصلے تک مار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود صلیبیوں کو سارا دن بڑی صعُوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ شام ہوئے جب ان کے سردار اس مقام پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ بیشتر تیرانداز اور پیادے زخمی ہو چکے ہیں اور پیاس کی وجہ سے نڈھال بھی ہو رہے ہیں۔ مگر جب ان سرداروں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو پانسا پلٹ گیا اور سُلطان کی فوج اپنی سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں بھاگ گئی۔

اب صلیبیوں کو سلطان کی طرف سے یہ اندیشہ نہیں رہا کہ وہ پھر ستائے گا۔ لیکن موسم نے انھیں بہت ستایا۔ وہ جولائی، اگست اور ستمبر کے مہینوں میں گرمی اور پیاس کے عذاب میں مبتلا رہے۔ پھر اکتوبر میں جب وہ تورس کی پہاڑیوں کے درّوں سے گزرنے لگے تو بارشیں

شروع ہوگئیں۔ ہزاروں آدمیوں اور گھوڑوں کے تنگ اور پیچ دار کوہستانی راستوں کو روندنے سے ان میں کیچڑ ہی کیچڑ ہوگئی۔ درجنوں گھوڑے پھسل پھسل کر گرے اور موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ سیکڑوں سامان سے لدے پھندے خچر بھی اسی طرح گر گر کر مر گئے۔ اچانک سیلاب آگیا۔ اس سے راستوں کے نشان تک مٹ گئے۔ لشکر گاہ میں پانی گھس آیا اور اسے تباہ و برباد کر گیا۔ غرض صلیبیوں کو بڑا سخت نقصان اُٹھانا پڑا اور جسمانی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی۔ یہ سفر واقعی بڑا ہولناک اور تکلیف دِہ تھا۔

جب صلیبی اس حالت میں گرتے پڑتے کوہستان عبور کر رہے تھے چند اجنبی ان کے پاس آئے اور بالڈون سے مل کر امداد کی درخواست کی۔ یہ آرمینیا کے عیسائی تھے جو اڈیسہ کا ایک حصّہ تھا اور وادیِ فرات کے مشرقی علاقے سے کچھ زیادہ دُور نہ تھا۔ اس پر کچھ عرصہ پہلے سُلطانِ روم نے قبضہ کر لیا تھا۔ آرمینیا کے عیسائیوں نے خیال کیا کہ چونکہ صلیبی سلطان کو دو مرتبہ شکست دے چکے ہیں اس لیے ان کی مدد سے آزادی حاصل کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ بالڈون ان کی درخواست پر اسی سردار اور کئی سو سپاہی ساتھ لے کر چل کھڑا ہُوا اور اس علاقے کو مسلمانوں سے بڑی آسانی سے صاف کر دیا۔ مارچ کے مہینے میں آرمینیا کے باشندوں نے بالڈون کو اڈیسہ کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ پہلا صلیبی تھا جو بادشاہ بنا۔

بَیت المقدس پر یلغار

جب صلیبی انطاکیہ پہنچے تو اسے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اس شہر کی فصیل کا دَور کئی میل کا تھا جس کی حفاظت کے لیے چار سو بُرج بنے ہوئے تھے۔ اس کے ایک میل لمبے اور تین میل چوڑے مُستطیل علاقے میں بےشمار سڑکوں کا جال سا بچھا ہُوا تھا۔ عمارتیں پتّھر کی بنی ہوئی تھیں اور نہایت خوبصُورت اور مضبوط تھیں۔ اسے دیکھنے کے بعد انھیں پیرس اور یورپ کے دیگر شہر ہیچ نظر آنے لگے۔ کہاں اُن کے وہ لکڑی کے بنے ہوئے مکان، ناہموار سڑکیں اور تنگ گلیاں، اور کہاں یہ شاندار اور باغ و بہار شہر! انھیں انطاکیہ کے مقابلے میں پیرس اور دیگر یورپی شہر معمولی قصبے معلوم ہوئے۔

انطاکیہ دولت مند شہر بھی تھا۔ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے ہندوستان اور ایران کے تاجر مصر، یونان، اور روم کے سوداگروں سے مال کا تبادلہ کرنے کے لیے یہاں آتے رہے تھے۔ دریائے اورنٹیز میں جو زرّیں سنگریزے بہتے ہوئے آتے تھے انھیں انطاکیہ میں صاف کرکے سونا نکالا جاتا تھا۔

قریب کی پہاڑیوں میں سے تانبا بھی کافی مقدار میں نکل آتا تھا - پھر مٹی بڑی زرخیز تھی اور پاس ہی دیودار اور صنوبر کا ایک بڑا سارا گھنا جنگل بھی تھا - اسی لیے اس پر قابض ہونے کے لیے بہت سے بادشاہ لڑائیاں لڑتے رہے تھے - یہاں کے بعض گرجے کسی زمانے میں دیانا اور اپالو کے مندر رہ چکے تھے - شام کی ایک قدیم ماہی پیکر دیوی کی پرستش گاہ ساحلِ سمندر پر بھی موجود تھی گو مسلمانوں نے اس کا نام اور صنف تبدیل کرکے اسے شیخ البحر کہنا شروع کر دیا تھا - انطاکیہ کی طویل تاریخ میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کا ذکر آتا تھا گویا اس مقام کو مذہب کی تقدیس حاصل تھی - اور اب یہاں مسلمان اور عیسائی صلح و آشتی سے امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے - وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم تھے اور اپنے اپنے طریق پر عبادت کرتے تھے، جس میں کوئی مداخلت نہ کرتا تھا - صلیبیوں نے یہ دیکھا تو اپنے دلوں میں سوچا کہ انطاکیہ کے عیسائی کافروں (مسلمانوں) سے سمجھوتا کر بیٹھے ہیں -

انھیں اس شہر پر قبضہ کرنے میں کافی دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا - جب وہ انطاکیہ پہنچے، اس وقت سال ختم ہو رہا تھا - انھیں معلوم ہُوا کہ مسلمان ساری فصل کاٹ چکے ہیں اور سارا اناج اور چارہ شہر کی ذخیرہ گاہوں میں جمع کیا جا چکا ہے - اب صُورتِ حال یہ تھی کہ انطاکیہ کی مُدافعت کرنے والے تو شہر کے اندر بیٹھے مزے سے

کھاپی رہے تھے مگر صلیبی شہر کے باہر کھلے میدان میں پڑے بھوک پیاس سے بلبلا رہے تھے۔ کرسمس کے تہوار تک صلیبیوں کی لشکرگاہ میں قحط پڑنے لگا، جس سے بہت سے آدمی اور گھوڑے مرگئے۔ لیکن اب قسطنطنیہ واپس جانا بھی آسان نہ تھا کیونکہ ایک بار پھر پہاڑوں اور صحراؤں کو عبور کرنا پڑتا۔ اور اگر صلیبی واپس جانے کی ٹھان لیتے تو بھی بھوک پیاس کی تاب نہ لاکر یقیناً راستے ہی میں مرجاتے اس لیے وہ وہیں ڈٹے رہے اور انطاکیہ والوں کی ایسی ناکہ بندی کی کہ اب شہر میں رسد نہ پہنچ سکتی تھی۔ انھیں امید تھی کہ اس طرح مسلمان عاجز آکر شہر ان کے حوالے کردیں گے۔

دونوں فریق اپنی اپنی جگہ چٹان کی طرح جمے رہے۔ ایک سال کی مدت اسی طرح گزر گئی۔ مسلمانوں کی ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری فوج شہر کو بچانے کے لیے آئی۔ ایک دمشق سے آئی، دوسری حلب سے آئی اور آخر میں ایک جرار لشکر موصل سے آگیا۔ لیکن اس لشکر کے انطاکیہ پہنچنے سے دو دن پہلے صلیبی فوج شہر پر قابض ہوچکی تھی[1]۔ صلیبی فصیلِ شہر پر کھڑے میدان کا

---

[1] اس وقت، ملک شاہ کا پوتا باغستان انطاکیہ کا حکمران تھا۔ اور مسلمانوں کی اُس دور کی طوائف الملوکی میں اپنی حفاظت کا خود ہی ذمہ دار تھا۔ مشرق میں حلب اور موصل، ان سے آگے لبنان کے دہن میں دمشق، سمندر پر لوڈیشیا، طرابلس، سیڈن اور ٹایر، سب کے سب خودمختار اسلامی شہر تھے جن میں سے ہر ایک کو اپنے سوا اور کسی کی فکر نہ تھی۔ ایک عیسائی [باقی اگلے صفحے پر]

نظارہ کر رہے تھے کہ پہاڑی راستوں پر سے عربوں کا وہ لشکر اُترتا دیکھا جو پچھلے سب لشکروں سے بڑا تھا اور انھوں نے اپنے دلوں میں سوچا کہ وہ اس لشکر کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بال بال بچ گئے۔ لیکن معاملہ وہ تھا کہ پہاڑ سے گرے تو پہلے غار میں گرے۔ مُوصل کے لشکر نے انطاکیہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ انطاکیہ کے مسلمانوں کو قلتِ خوراک کی وجہ سے شکست ہوئی تھی۔ شہر میں جتنی خوراک تھی وہ ختم ہو گئی تھی اور باہر سے ایک بھورا بھی شہر میں نہ پہنچ سکتا تھا۔ اب صلیبیوں نے محسوس کیا کہ ان پر بھی وہی بن گئی ہے۔ انھوں نے اناج کے پوشیدہ ذخیروں کی

(بقیہ فٹ نوٹ از صفحہ ۵۱)

مورُخ نے عیسائی فوج کی تعداد تین لاکھ بتائی ہے۔ مگر شہر کے اندر صرف دو ہزار گھڑسوار، پانچ ہزار ملازم اور کوئی دس ہزار پیادے تھے۔ انطاکیہ کے سقوط کا سبب ایک نومسلم فیروز تھا جو اصل میں مُرتد تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف سازش کر کے انھیں شکست دلوائی۔ صرف ایک رات میں انطاکیہ کے چھ ہزار سے زیادہ باشندے مارے گئے۔ جو لوگ بھاگ کر قرب و جوار کے کھیتوں اور میدانوں میں چلے گئے ان کا تعاقب کیا گیا اور انھیں شہر میں واپس لا کر مار ڈالا گیا یا غلام بنا لیا گیا۔ باغستان کو فیروز کی دغابازی کا حال معلوم ہوا تو وہ قربوغا کی فوج سے جا ملنے کے لیے بھاگا اور تن تنہا جنگل کا راستہ لیا مگر ایک جگہ چند آدمی لکڑہارے ملے تو انھوں نے اسے پہچان لیا اور اس کے چہرے پر غم و ملال کے آثار دیکھ کر تاڑ گئے کہ شہر کا سقوط ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک نے دھوکے سے اس کی تلوار چھین لی اور اس کے جسم میں پیوست کر دی۔ پھر اس کا سر کاٹا اور اسے انطاکیہ کے نئے مالکوں کے پاس لے پہنچے۔

صلیبی جنگجوؤں نے انطاکیہ پر قبضہ کر لیا

تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا مگر کچھ بھی نہ ملا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے درختوں کی پتیاں اُبال اُبال کر کھائیں اور کاٹھیوں کا چمڑا چبایا مگر عین اس وقت جب صلیبی بھوک سے شکست کھانے کو تھے، عرب سرداروں میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان کے سپاہی صلیبیوں کے ہتھیار ڈالنے کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے دستے بھاگ کر اپنے وطن واپس جانے لگے۔ آخر ایک روز جب صلیبیوں نے دیکھا کہ اب عربوں کا لشکر گھٹتے گھٹتے اتنا گھٹ چکا ہے کہ صلیبی شہر سے باہر نکل کر ان سے برابر کی چوٹ لڑ سکتے ہیں تو وہ میدان میں آگئے۔

جب عربوں نے دیکھا کہ صلیبی آ رہے ہیں تو ان کے سپہ سالار نے اپنے سپاہیوں کو بچانے کے لیے، میدانِ جنگ کے قریب سوکھی گھاس کا جو انبار تھا اس میں آگ لگا دی، لیکن صلیبی اتنے جوش میں بھر گئے تھے کہ انھوں نے اس آگ میں سے گزر کر حملہ کر دیا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ عیسائی آگ کے شعلوں اور دھوئیں کی دیوار میں سے گزر کر بڑھے چلے آ رہے ہیں تو انھوں نے لڑائی سے منہ موڑا اور راہِ فرار اختیار کی۔ صلیبیوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا، دریائے اورنٹیز تک پیچھا کرتے رہے اور جب تک ہاتھ تلوار چلاتے چلاتے شل نہ ہو گئے مسلمانوں کی گردنیں کاٹتے رہے۔ جو عرب بچ گئے وہ لڑنے کے لیے اکٹھے نہ ہوئے بلکہ موصل واپس

چلے گئے۔

اس فتح سے صلیبیوں پر یروشلم کا جنوبی راستہ کھُل گیا لیکن وہ اس راستے پر عرصۂ دراز تک قدم نہ بڑھا سکے۔ انھیں بہت دن تک انطاکیہ ہی میں رُکے رہنا پڑا کیونکہ یہ قضیہ طے نہیں ہُوا تھا کہ یہ شہر ان کے کس سردار کو ملے۔ بوہیمنڈ آف ٹرانٹو اور ریمنڈ آف تلوز دونوں دعویدار تھے اور ان میں سے ایک بھی دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر اور نومبر کے مہینے یہی قضیہ طے ہونے میں گزر گئے۔ آخر یہ طے پایا کہ اسقفوں اور امراء کی ایک کونسل بنائی جائے اور وہ کونسل یہ فیصلہ کرے کہ یروشلم پر قبضے کے بعد انطاکیہ کا حاکم کون ہوگا۔ دونوں حریفوں نے یہ بات مان لی لیکن چونکہ کوئی ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھا اس لیے بات آگے نہ بڑھی۔ ریمنڈ ایسی حالت میں اپنے سپاہیوں کو شہر سے باہر لے جانے اور یروشلم کی جانب کوچ کرنے کو تیار نہیں تھا کہ بوہیمنڈ شہر میں موجود رہے کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کے باہر نکلتے ہی اس کا حریف شہر پر قبضہ کر لے گا۔ اسی طرح بوہیمنڈ بھی اپنے اس فیصلے پر اٹل تھا کہ ریمنڈ کو یہاں چھوڑ کر نہیں جائے گا کیونکہ وہ اس کے باہر نکلتے ہی شہر پر قابض ہو جائے گا۔

ابھی یہ نزاع جاری تھی کہ صلیبیوں کو عربوں سے بھی زیادہ

خوفناک دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ گیا - اس دُشمن کے مقابلے کے لیے نہ کوئی ہتھیار کام دے سکتا تھا، نہ ان کی حوصلہ مندی کچھ بنا سکتی تھی یہ دشمن ٹائیفائڈ تھا - پادری اور سردار سب اس بلائے ناگہانی سے نجات کی دُعائیں مانگتے رہ گئے مگر ٹائیفائڈ نے سیکڑوں صلیبی سرداروں اور سپاہیوں کو ختم کر دیا - اڈمار، درجنوں بہترین نائٹ اور ہزاروں سوار اور پیادے موت کے گھاٹ اُتر گئے - پندرہ سو جرمنوں کے اس دستے میں سے، جو فتح انطاکیہ کے چند روز بعد لڑائی میں شامل ہونے کے لیے وہاں وارد ہُوا تھا، صرف سات سو آدمی ایسے بچ سکے جو اس قابل تھے کہ یروشلم جا سکیں - پطرس راہب کے بچے کھچے پیرو، جو لشکر کا بھیر و بنگاہ بنے ہوئے تھے، قریب قریب معدُوم ہو گئے -

آخر حالات اس قدر ناقابلِ برداشت ہو گئے کہ ریمنڈ کے نائٹ اکٹھے ہو کر اس کے پاس آئے اور اس سے صاف کہہ دیا کہ اگر وہ یروشلم کے مزارِ مسیحؑ کو مسلمانوں کے پنجے سے چھڑانے کا عہد پُورا کرنے کے لیے تیار نہ ہُوا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے - اب ریمنڈ کو مجبُوراً اقدام کرنا پڑا اور وہ جنوری کے شروع میں اپنے سپاہیوں کو لے کر بیت المقدس کی طرف بڑھا - اس کے پیچھے پیچھے گوڈفرے اور رابرٹ کے سپاہی بھی اُدھر روانہ ہو گئے - جیسے ہی یہ لشکر شہر کے باہر نکلا، بوہیمنڈ نے شہر کے دروازے بند کر کے ہر جگہ اپنے جھنڈے بلند کرا دیے اور کچھ دن بعد اپنے بادشاہِ انطاکیہ ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔

اس طرح ایک اَور صلیبی بادشاہ بن گیا۔ اُدھر ریمنڈ اپنے لشکر سمیت یروشلم کی طرف بڑھا چلا گیا۔ اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ تیسرا بادشاہ وہ بنے گا۔

یروشلم پہنچنے کے لیے اس نے وہ راستہ اختیار کیا جو فلسطین کے لمبے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا گیا تھا۔ یہ راستہ لمبا بھی تھا اور دُشوار بھی تھا۔ اس کے سپاہی لبنان کے برف پوش پہاڑوں، صور (ٹائر) اور صیدا کے قدیم شہروں اور عکرہ اور یافہ سے گزرے، پھر مُڑ کر اندرُونِ مُلک میں داخل ہوئے۔ انطاکیہ سے روانگی کے چھ ماہ بعد یہ لوگ ان پہاڑوں کے درّے کی چوٹی پر پہنچے جو یروشلم اور سمندر کے درمیان واقع ہیں اور اس پر رات گزارنے کے لیے خیمے نصب کر دیے۔ یہاں رات کی تاریکی میں انھوں نے چاند کو گہن لگتے دیکھا، جس سے یہ شگون لے کر بہت خوش ہوئے کہ بہت جلد ہلال (اسلام) پر صلیب (عیسائیت) غالب آجائے گی۔ اگلی صُبح پَو پھٹنے سے پہلے یہ ایک پہاڑی پر چڑھے جو مونٹ جُوئی کہلاتی تھی، اور جب سُورج چڑھا تو یروشلم کا نظارہ کیا جو وہاں سے نشیب میں نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر انھیں خوشی تو ہوئی مگر ان پر دہشت بھی طاری ہوگئی۔ انھیں یہ توقع تھی کہ ارضِ موعود میں دُودھ اور شہد کی نہریں بہ رہی ہوں گی۔ لیکن جو کچھ نظر آیا وہ یہ تھا کہ ایک بے برگ و گیاہ اور ریتلی وادی ہے جو موسمِ گرما کی دھوپ سے جھلس گئی ہے۔ اور یروشلم

یروشلم عہد قدیم کا مضبوط ترین قلعہ تھا

دنیائے قدیم کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

یہ ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کی دیواریں تین چٹانی وادیوں کی ڈھلوان طرفوں پر کھڑی تھیں۔ دو ہزار سال سے یروشلم کے ہر فرماں روا کا یہ ط[illegible] رہا تھا کہ وہ اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لیے اپنی ط[illegible] سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا اور ہر ایک نے یہ کام خوب ا[illegible]جام دیا تھا۔ غرض یروشلم ناقابلِ تسخیر تھا لیکن جب صلیبی اس شہر کے نزدیک پہنچے تو ان پر اس کی تسخیر کا جنوں سا طاری ہوگیا۔ اور انھوں نے تہیہ کر لیا کہ کوئی بھی روک انھیں یہ قلعہ سر کرنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔ جب انھوں نے اس کی فصیل کے نیچے پڑاؤ ڈالا تو دیکھا کہ مسلمانوں نے ہر سمت میں میلوں تک تمام کنویں پاٹ دیے ہیں۔ صلیبی جہاں تھے وہیں رُک گئے اور دریائے اُردن سے شراب کی مشکوں میں پانی بھر بھر کر خچروں پر لاد لاد کر لانے لگے۔ دُھوپ اتنی تیز تھی کہ اس سے بھاڑ سا بھُن رہا تھا۔ پانی چونکہ اس دُھوپ میں دُور دراز کا سفر کر کے لایا جاتا تھا اس لیے کھاری اور بدبُودار ہو جاتا تھا، لیکن نہ ہونے سے پھر بھی بہتر ہوتا اس لیے لوگ اسی کو پی پلا لیتے۔ ایک مہینے تک صلیبی یہ صورتِ حال برداشت کرتے رہے پھر لڑ بھڑ کر شہر کے اندر داخل ہوگئے۔

جب رات آئی تو وہ جنگی جنون سے واقعی دیوانے ہوگئے۔ ساری رات شہر میں تلاشیاں لیتے اور قتل و خون کرتے پھرے۔ جو مرد عورت

یا بچہ نظر آگیا اسے پکڑ کر مار ڈالا ۔ بہت سے یہودی سراسیمگی اور دہشت کے عالم میں اپنے بڑے کنیسہ میں جا چھپے لیکن انھیں وہاں بھی پناہ نہ ملی ۔ صلیبیوں نے اسے آگ لگا دی ۔ جو یہودی جل گئے وہ تو مر ہی گئے لیکن جو آگ کے شعلوں سے بچ کر بھاگے وہ بھی موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے ۔ صلیبیوں نے ان میں سے ایک ایک کو چُن چُن کر ہلاک کیا ۔ صبح ہوئی تو صلیبیوں کے گروہ مسجد قبّۃ الصخرا میں پہنچے جہاں شہر کے تمام مسلمان مُقیّد تھے ۔ جب انھوں نے شہر صلیبیوں کے حوالے کر دیا تھا اور ہتھیار ڈال دیے تھے اس کے بعد انھیں یہاں بند کر دیا گیا تھا ۔ صلیبیوں نے ان سب کو قتل کر دیا ۔ اس روز بیت المقدس اپنے باشندوں کے خون میں نہایا ہُوا نظر آ رہا تھا ۔ بارہ ہزار سے زیادہ آدمی مسجدوں میں اور سڑکوں پر کٹے پڑے تھے[1]

---

[1] دو دن تک مسلمان بے دریغ قتل کیے جاتے رہے لیکن اب بھی بہت سے بچ رہے ۔ جب تیسرے دن کی کونسل نے ان سب مسلمانوں کے لیے جو شہر میں تھے، موت کا فتویٰ دے دیا تو یہ بھی ہلاک کر دیے گئے ۔ یہ تمام دشمن (مسلمان) جن کو پہلے دن انسانیت یا خونریزی کرتے کرتے تھک جانے یا بھاری فدیے کی اُمید کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا گیا تھا، اب ذبح کر ڈالے گئے ۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ میناروں پر سے اور مکانوں کی چھتوں سے گر گر کر مریں ۔ بہت سوں کو آگ میں جلا کر مارا ۔ ہزاروں کو تہ خانوں میں سے نکال کر بازاروں میں لا کر لاشوں کے ڈھیروں پر ڈال کر ہلاک کیا ۔ نہ عورتوں کی گریہ وزاری کی طرف توجہ کی نہ بچّوں کی چیخوں کی پروا کی، نہ اس مکان کا لحاظ کیا جہاں مسیح نے اپنے قاتلوں کو مُعافی دی تھی ۔ ان میں سے کوئی چیز بھی غضبناک فاتحوں کے دلوں کو نرم نہ کر سکی ۔ اس قدر خونریزی کی گئی کہ البرٹ ڈی ایکس کے بیان کے مطابق نہ صرف محلّوں، مسجدوں اور [باقی اگلے صفحے پر]

اب صلیبیوں نے یروشلم بھی فتح کر لیا تھا[1] اور انھوں نے مزارِ مسیح کو

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۵۸)

گلیوں بلکہ ویران جگہوں میں بھی لاشوں کے انبار لگ گئے ۔ یہ خونریزی ایک ہفتے تک جاری رہی اور اس کے اختتام پر بھی صلیبیوں نے ہاتھ نہ روکا ۔ جو مسلمان اس وقت ہاتھ نہ آئے انھیں فوجی خدمت کے لیے مخصوص کر لیا گیا ۔ مشرقی اور لاطینی مورّخ اس پر متفق ہیں کہ ستر ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کیے گئے ۔ اب یہ خوف ہونے لگا کہ لاشوں کے انباروں سے وبائی بیماریاں پیدا ہوں گی ۔ صلیبیوں کے سرداروں نے مسلمان قیدیوں کو حکم دیا کہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی لاشوں کو دفن کریں تاکہ راستے ان سے صاف ہو جائیں ۔ رابرٹ ڈی مانک نے لکھا ہے کہ یہ لوگ روتے جاتے تھے اور لاشوں کو اٹھاتے جاتے تھے ۔ اس دردانگیز کام میں ریمنڈ کے سپاہیوں نے ان کا ہاتھ بٹایا ۔ مگر اس بظاہر دردمندانہ تعاون کی تہ میں بھی ایک مذموم غرض تھی ۔ ریمنڈ شہر میں سب سے آخر میں داخل ہوا تھا اس لیے اس کو مالِ غنیمت میں سے زیادہ نہیں ملا تھا ۔ اب وہ لاشوں کی تلاشی لے کر اس کی تلافی کرنی چاہتا تھا ۔ عیسائیوں نے آپس میں یہ سمجھوتا کر لیا تھا کہ جو شخص جس جگہ یا مکان پر پہلے قابض ہو جائے گا وہ اسی کا ہو جائے گا ۔ مسجدِ عمرؓ میں سب سے پہلے جو عیسائی داخل ہوا اس کا نام ٹنکرو تھا ۔ یہ مسجد اور اس کی تمام دولت جس میں بیس سونے کے اور ایک سو بیس چاندی کے شمعدان، ایک بڑا فانوس اور بہت سا سامانِ آرائش شامل تھا، اس کو مل گئی ۔ مورخوں کے بیان کے مطابق یہ سامان اتنا کثیر تھا کہ اسے سمیٹنے میں دو دن لگے اور اس سے چھ گاڑیاں بھر گئیں ۔" (صلیبی جنگوں کی تاریخ از مجاہدؔ)

[1] پہلی صلیبی جنگ میں عیسائیوں کی پے در پے کامیابیوں کا حال پڑھ کر قدرتی طور پر قاری کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان ان کے مقابلے میں اتنے عاجز اور لاچار کیوں تھے؟ لین پول نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے ۔" صلیبیوں کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ ان کا باقاعدہ مقابلہ کرنے ...الاعلک میں کوئی بھی نہ تھا ۔ سلطان ملک شاہ کا وزیرِ اعظم نظام الملک طوسی اپنے آقا کی زندگی ہی ...ں مر چکا تھا ۔ اور کوئی صاحبِ تدبیر ایسا نہ تھا جو ملک شاہ کے بیٹوں کے جھگڑے کا تصفیہ کر کے ...ں میں مصالحت کرا دیتا ۔ ہر شخص ٹوٹے ہوئے تاج کے ٹکڑوں کے لیے اوروں سے دست و گریبان

[باقی اگلے صفحے پر]

مسلمانوں سے چھین لینے کا جو عہد کیا تھا وہ پُورا ہو چُکا تھا اس لیے اب وہ اپنے اپنے مُلک کو واپس جا سکتے تھے۔ لیکن انھیں وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے یہ بھی طے کرنا تھا کہ آیندہ اس مقدّس شہر کا محافظ کون ہو۔ ریمنڈ آف تلُوز چاہتا تھا کہ وہاں کا بادشاہ اسے بنایا جائے۔ لیکن اس کی عمر ۶۵ سال سے زیادہ ہو چکی تھی،

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۵۹)

تھا۔ ہمسائے ایک دوسرے سے جلتے تھے۔ مگر کوئی ایسا نہ تھا جو سب کا قائد بن کر دشمن کے مقابلے پر سینہ سپر ہو جاتا۔ مسلمانوں کا یہی وہ بُرا وقت تھا جس پر یورپ کی عیسائی سلطنتیں فوج کشی کر کے انھیں مغلوب کر سکتی تھیں۔ اگر اہلِ یورپ کا یہ حملہ ایک پشت پہلے ہوتا تو سلجوقی اتنے بودے نہیں تھے کہ کوئی انھیں گھونسا دکھاتا اور وہ دم سادھے بیٹھے رہتے۔ اور اگر یورپ کی یہی فوج کشی ایک پشت بعد ہوتی تو عماد الدین اور نورالدین زنگی حملوں آوروں کو دھکیل کر سمندر میں غرق کر دیتے۔ مگر اس وقت مسلمان منتشر اور کمزور تھے۔ اس صورتِ حال پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلیبی جنگوں کے واعظوں، مبلغوں اور محرکوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا جو موقع ملا، اس کی اہمیت کو شاید وہ خود بھی نہیں سمجھے لیکن اگر یہ صحیح ہو کہ پطرس اور پوپ اربن ثانی کو حملے کے لیے یہ موقع سُوجھا تو یہ بات ان کی ذہانت پر گواہی دیتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایشیا کی سیاسی حالت کا بڑی توجہ سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے ملک میں اس طرح گھُسے جس طرح لکڑی میں کچڑ ٹھونکی جاتی ہے اور کم از کم کچھ دن تک تو ایسا ہی معلوم ہوتا رہا جیسے وہ اسلام کے درخت کے تنے کو چیر چیر کر اس کی چھپٹیاں اُڑا دیں گے۔
(صلیبی جنگیں از لین پول صفحات ۲۰-۲۱)

پھر وہ انطاکیہ میں ٹائیفائڈ کا شکار ہو جانے کے بعد کافی ضعیف بھی ہوگیا تھا اس لیے نائٹوں کی مجلس نے گوڈفرے کو اس منصب کا اہل قرار دیا - وہ نسبتًہ نوجوان آدمی تھا اور سب سے پہلا شخص تھا جو لڑتا بھڑتا یروشلم کے اندر داخل ہُوا تھا - اس نے انطاکیہ میں بوہمنڈ سے بادشاہت کے لیے جھگڑا نہیں کیا تھا' اس وجہ سے بھی اُسے یروشلم کی بادشاہت کا اہل سمجھا گیا - گوڈفرے کے انتخاب میں نائٹوں کے سامنے یہ بات بھی تھی کہ اگر مسلمانوں نے بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا تو اس وقت سب عیسائی بادشاہوں کو مُتحد ہو کر مقابلہ کرنا پڑے گا اس لیے یروشلم کے تخت پر کوئی ایسا آدمی ہونا چاہیے جو انطاکیہ کے عیسائی بادشاہ بوہمنڈ سے پرخاش نہ رکھتا ہو - اور وہ آدمی گوڈفرے تھا - غرض گوڈفرے تیسرا صلیبی تھا جو بادشاہ بنا -

دُوسری صلیبی جنگ

صلیبیوں کی قائم کی ہوئی سب سے پہلی بادشاہت اڈلیسہ سب سے پہلے ختم ہُوئی - امیر موصل نے ۱۱۴۴ء میں شبِ عیدِ میلادِ مسیحؑ کو اڈلیسہ کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا - تمام عیسائی مرد قتل کر دیے گئے اور اُن کی بیویاں اور بیٹیاں فروخت کر دی گئیں۔ جب یہ خبر انطاکیہ اور یروشلم میں پہنچی تو وہاں سنّاٹا چھا گیا - اس وقت یروشلم میں کل ایک ہزار نائٹ تھے اور شام میں اتنے بھی نہیں تھے - اگر اس وقت امیرِ موصل نے اُسی پامردی سے انطاکیہ اور یروشلم پر بھی حملہ کر دیا ہوتا جس کا مظاہرہ اس نے اڈلیسہ میں کیا تھا تو عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے ہوتے مگر امیرِ موصل نے ایسا نہ کیا -

اِدھر ایشیا کے عیسائیوں نے اڈلیسہ کے سقوط کے بعد پوپ کو پیغام بھیجے اور بڑے درد انگیز الفاظ میں اُس سے التجا کی کہ وُہ یورپ کے عیسائیوں کو ایک اور صلیبی جنگ پر

آمادہ کرے۔

یہ پوپ بڑا ذی فہم انسان تھا۔ اس نے ایک اور صلیبی جنگ کا فتوٰے دینے سے قبل پہلی صلیبی جنگ کے حالات پر غور و خوض کیا، اس کے بعد شاہِ فرانس لوئی ہفتم اور فرانسیسی قوم کے نام یہ پیغام بھیجا کہ وُہ ارضِ مقدس اور شام کے عیسائیوں کی امداد کریں اور برنارڈ آف کلیئروالکس سے، جو فرانس کے راہبوں کا قائد تھا، یہ درخواست کی کہ وُہ دوسری صلیبی جنگ کا اہتمام کرے۔

برنارڈ بڑا آدمی تھا، تنظیمی صلاحیّت بھی رکھتا تھا اور مقدّس شخصیّت کا مالک بھی تھا۔ لیکن نہایت جوشیلا تھا اور بہُت جلد بھڑک اُٹھتا تھا۔ جیسا کہ خود اسے کئی مرتبہ اعتراف کرنا پڑا، کبھی کبھی اس کے احساسات اس کی قوتِ فیصلہ پر غالب آ جاتے تھے۔ اُس نے دوسری صلیبی جنگ کو کامیاب بنانے کا عزم تو کیا مگر پوپ نے اِس جنگ کا جو منصوبہ بڑی احتیاط سے تیار کیا تھا۔ اس پر اپنے جوش و خروش سے پانی پھیر دیا۔

جو کچھ ہُوا اِس کی کیفیت یہ ہے کہ برنارڈ نے وسطی فرانس میں ایک بہُت بڑا اجتماع کیا اور اس میں شہنشاہ لوئی ہفتم اس کے بھائی رابرٹ اور فرانس کے بہُت سے امیروں نے

صلیب اُٹھا کر عہد کیا کہ ہم دوسری صلیبی جنگ کو کامیاب بنانے کیلیے بے دریغ روپیہ اور آدمی دیں گے۔ اس کے بعد برنارڈ اور آگے بڑھا اور وُہ شمالِ بعید کی آزاد فرانسیسی ریاستوں میں پہنچا تاکہ مزید روپیہ اور سپاہی فراہم کر سکے۔ اس سلسلے میں وہ لورین، برگنڈی اور فلینڈرز بھی پہنچا۔ یہاں اسے معلوم ہوا کہ آجکل شہنشاہِ جرمنی کو نراڈ ہوہن شٹافن بھی قریب ہی رائن لینڈ میں موجود ہے۔ جہاں جرمن امیروں اور نوابوں کی پارلیمنٹ منعقد ہو رہی ہے۔ اسے یہ موقع خداداد معلوم ہُوا۔ چنانچہ فوراً دوسری صلیبی جنگ کی تبلیغ کے لیے جرمنی پہنچ گیا اور جرمن شہنشاہ نے اُس کی طرف سے کافی ترغیب دہی کے بعد صلیب اٹھائی۔ بادشاہ کی دیکھا دیکھی اس کے سرداروں اور امیروں نے صلیب اٹھائی۔

برنارڈ اپنی اس کامیابی سے بہت خوش ہوا اور پوپ کو ایک خط کے ذریعے یہ خوشخبری پہنچا دی۔ لیکن پوپ یہ معلوم کرکے گھبرا اٹھا کہ دوسری صلیبی جنگ میں شاہِ فرانس اور جرمن شہنشاہ دونوں لڑیں گے۔ وہ جانتا تھا کہ پہلی صلیبی جنگ کی تمام مصیبتیں قیادت کے لیے عیسائی سرداروں کی باہمی کشمکش کا نتیجہ تھیں۔ دوسری صلیبی جنگ میں اس کشمکش سے بچنے کے لیے ہی اُس نے صرف شاہِ

فرانس اور امرائے فرانس کو جنگ لڑنے کی دعوت دی تھی۔ مگر اب برنارڈ کی تبلیغ کی وجہ سے دو بادشاہوں اور دو ملکوں نے اس جنگ میں شریک ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ پوپ سمجھ گیا کہ برنارڈ سے یہ بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا! تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

جرمن فوج یورپی عیسائیوں کی پہلی فوج تھی جو اس کے ایک سال بعد میدانِ جنگ کو روانہ ہوئی اور ہنگری ہوتی ہوئی بلقان سے گزر کر آگے بڑھتی چلی گئی۔ جب تک یہ فوج باز نطینی علاقے میں نہ پہنچی اس وقت تک کوئی ناگوار واقعہ نہیں ہُوا لیکن اس کا باز نطینی سلطنت کے پہلے بڑے شہر میں داخل ہونا تھا کہ فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ جرمن پیدل فوج نے ایک یونانی شعبدہ باز پر جادُو گر ہونے کی تہمت لگائی اور اُسے زندہ جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر شہر کے لوگ اس شعبدہ باز کو اچھّی طرح جانتے تھے۔ وہ اُسے بچانے کے درپے ہُوئے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ شہروں کے مضافات میں جرمن سپاہیوں نے لوٹ مار اور آتش زدگی شروع کر دی۔ یہاں سے آگے بڑھے تو جرمن سپاہی سارے راستے اُودھم مچاتے رہے۔ جب وُہ قسطنطنیہ کے قریب پہنچے تو ایک جرمن

جرنیل نے ایک خانقاہ کے ایک راہب کی اس حرکت پر بھڑک کر کہ اُس نے چند جرمن سپاہیوں پر حملہ کیا ہے، اس خانقاہ کو آگ لگا دی - اور اس میں جتنے راہب تھے ان سب کو زندہ جلا دیا - جب باز نطینی شہنشاہ مینوئل کو جرمنوں کے بارے میں یہ باتیں معلوم ہوئیں تو اسے یہ نظر آنے لگا کہ قسطنطنیہ میں ان کی آمد باعثِ خطر ہو گی - اور اُس نے مُصمّم عزم کر لیا کہ انہیں اپنے علاقے میں ہرگز نہ آنے دے گا -

وُہ جرمن شہنشاہ کو نراڈ سے راستے ہی میں جاکر ملا، اور اسے یہ مشورہ دیا کہ یہیں سے بحر مارمورا کی طرف مڑ جائے، وہاں آبنائے پار کرے، اور ساحلی راستے سے انطاکیہ پہنچ جائے - اس نے جرمن شہنشاہ کو تنبیہ کیا کہ وُہ نیقیہ کے راستے اندرُونِ مُلک سے نہ گزرے ورنہ اسے بھی انہیں مصیبتوں سے سابقہ پڑے گا جو پہلی صلیبی فوج کو پیش آ چکی ہیں اور اُنہیں جیسے نقصانات اٹھانے پڑیں گے -

لیکن کونراڈ اِسی پُرانے راستے سے گزرنے پر بضد رہا کیونکہ اُسے یہ شبہہ ہو گیا کہ مینوئل چاہتا ہے، وُہ قسطنطنیہ نہ پہنچے - اس نے مینوئل کے مشورے کو نظرانداز

کر دیا اور قسطنطنیہ سے ہو کر گزرا اور پھر اپنی دس ہزار فوج
کے ساتھ نیقیہ سے آگے روانہ ہوا۔ لیکن ایک ماہ سے
بھی کم مدّت میں واپس آگیا۔ اس کا تمام سازو سامان چھن
گیا تھا اور دس ہزار کی سپاہ کے نو ہزار آدمی ہلاک یا گرفتار
ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ اس کی فوج دن بھر ایک بے آب و
گیاہ ریگستانی علاقے میں تھکا دینے والا کوچ کرتی رہی مگر
شام کو ایک جگہ رکی تو اُس پر حملہ کر دیا گیا۔ رات ہو
رہی تھی۔ لشکر کے نائٹ آرام کر رہے تھے۔ ان کے ملازم
گھوڑوں کو لشکر گاہ سے کچھ فاصلے پر، ایک دریا پر پانی
پلا رہے تھے۔ پیدل سپاہی لدو خچروں پر سے سامان اتار
رہے تھے اور خیمے لگا رہے تھے۔ اچانک ترکی گھڑ سوار
فوج نے اُن پر حملہ کیا اور جو لڑائی شروع ہوئی وہ صرف
ایک گھنٹے میں ختم بھی ہو گئی۔ قسمت یاور تھی کہ کونراڈ
اپنے باقی ماندہ ایک ہزار سپاہیوں سمیت جان بچا کر
بھاگ آیا۔ ورنہ کچھ عجب نہیں تھا کہ سبھی کھیت رہتے۔
فرانسیسی فوج نے بھی قسطنطنیہ تک تو وہی راستہ
اختیار کیا جو جرمنوں نے کیا تھا۔ وُہ جرمنوں سے ایک
مہینے بعد روانہ ہُوئے تھے۔ جب بازنطینی علاقے میں
پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو جرمنوں کی ان حرکتوں کے باعث

اتنا برانگیختہ پایا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وُہ کسی دُشمن ملک میں ہیں۔ شہر اور اُن کے بازار اُن پر بند تھے۔ خوراک اور رسد فراہم کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا فرانسیسی اپنی ان مشکلات کا سبب شہنشاہ مینوئل کو قرار دینے لگے اور بہت برہم ہُوئے۔ چنانچہ جب قسطنطنیہ پہنچے تو اُن کا پارہ چڑھا ہوا تھا مگر یہاں پہنچنے کے بعد یہ خبر سُنی کہ شہنشاہ مینوئل نے ترکوں سے صُلح کرلی ہے۔ اس سے ان کا غصّہ اور بھی بھڑک گیا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ترک صلیبیوں نیز شام کے عیسائیوں سے بے فکر ہو کر جنگ کر سکتے تھے۔ برنارڈ کی فوج کا ایک اسقف لانگریس بہت اچھا فوجی انجینئر بھی تھا۔ اس نے فوراً قسطنطنیہ کا پانی بند کردینے کا منصُوبہ تیار کر لیا۔ بہت سے فرانسیسی سردار اور امیر اس کے ہمنوا تھے لیکن شہنشاہ لوئی ہفتم نے انہیں اس منصُوبے پر عملدر آمد کرنے سے باز رکھا۔ یہی نہیں، اس پر بھی آمادہ کر لیا کہ راستے کے بارے میں مینوئل کا مشورہ ماننا چاہیے اور اس کے بعد بہت جلد ارضِ مُقدّس کی طرف روانہ ہو گیا۔

اِس علاقے میں کڑاکے کی سردی میں سفر کرنا بہت

تکلیف دہ تھا اور رسد فراہم کرنا اور بھی دشوار تھا۔ فوج نے راستے بھر بھوک کی تکلیف اٹھائی۔ ترک فوج سائے کی طرح اس کے پیچھے لگی رہی اور جہاں موقع ملا، اس کے بچھڑ جانے والے سپاہیوں کے گلے کاٹے۔ جرمنوں کے جو دستے خوراک اور چارے کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتے ہوتے ترک فوج انہیں پکڑ کر مار ڈالتی۔ وہ جرمنوں کی لشکر گاہوں پر راتوں کو چھاپے بھی مارتی۔ ایک شبانہ چھاپے کے دوران میں شہنشاہ لوئی نے ایک درخت پر چڑھ کر جان بچائی۔ وہ جان کے خوف سے چھپا بیٹھا رہا اور ترک سوار اس کے لشکر میں غارت گری کرتے رہے۔

جب فرانسیسی فوج ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل کے ایک مقام اتالیہ پہنچی اس وقت تک وُہ اِس جنگ گریز پا سے تنگ آ چکی تھی اور اس نے باقی راستہ سمندر سے طے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن بندرگاہ کے تمام جہاز باز نطینیوں کی ملکیت تھے۔ انہوں نے کرایہ اتنا زیادہ طلب کیا کہ صرف بادشاہ اور امرا ہی ادا کر سکے۔ پیادہ فوج کو مجبوراً ساحلی راستے ہی سے سفر کرنا پڑا۔

اس علاقے میں سفر بہت دشوار تھا کیونکہ راستہ بہت خراب تھا اور اس کے قریب کے تمام دیہات اور

قصبوں میں ترکوں نے آگ لگا کر ان کے باشندوں کو اندرونِ ملک میں دھکیل دیا تھا۔ فرانسیسیوں کو نہ کہیں پناہ ملتی تھی نہ خوراک میسّر تھی۔ لوئی کی نصف سے زیادہ پیدل فوج اتالیہ اور انطاکیہ کے درمیان بھوک، بیماری اور پریشانی میں مبتلا ہو کر مر گئی۔

آخرکار جب شہنشاہ لوئی اپنی فوج کے ساتھ انطاکیہ پہنچا تو وہاں کے عیسائیوں نے اس سے درخواست کی کہ فوراً اندرونِ ملک میں گھس کر حلب پر حملہ کر دے۔ یہ تجویز معقول تھی کیونکہ عرب اس شہر کو اڈا بنا کر یہاں سے شام کے عیسائیوں پر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جب لوئی کو یہ معلوم ہوا کہ مینوئل نے کونراڈ نیز اس کی بچی کھچی فوج کو اپنے بحری جہازوں میں بٹھا کر یروشلم پہنچا دیا ہے تو چونکہ فرانسیسی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جرمن اِن سے پہلے یروشلم پہنچیں۔ اس لیے اس نے شام کے عیسائیوں کو اُن کے حال پر چھوڑا اور جنوب کے راستے جلدی جلدی یروشلم کی طرف روانہ ہو گیا۔

چھ مہینے تک جرمن فوج اور فرانسیسی فوج دونوں بیت المقدس میں مقیم رہیں مگر انہوں نے باہمی جنگ و جدل کے سوا اور کوئی کام نہ کیا۔ فرانسیسی جرمنوں

کو طعنہ دیتے کہ صحرا کی جنگ میں مُسلمانوں سے شکست کھا گئے! جرمن یہ کہہ کر فرانسیسیوں کی تضحیک کرتے کہ اپنے سپاہیوں کو ساحلی راستے پر بھوک اور مصیبتوں کے حوالے کر کے چلے آئے۔ دونوں فوجوں کے قائد عربوں کے خلاف کارروائی کے کسی بھی منصوبے پر متفق نہ ہو سکے۔ آخر اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دمشق پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن یہ فیصلہ حالات کو دیکھتے ہُوئے بڑا عجیب تھا۔ امیرِ دمشق ابھی تک غیر جانبدار رہا تھا۔ وہ امرائے موصل اور سلجوقی ترکوں کا دوست بھی نہیں تھا جن سے کونراڈ نے شکست کھائی تھی۔ مُسلمانوں نے شام کے عیسائیوں پر جو حملے کیے تھے اُن میں بھی اس نے کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ اسی طرح اس نے حکومتِ یروشلم کے خلاف بھی کسی جنگی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن صلیبی سُورما اس سے لڑنے کے لیے چل کھڑے ہُوئے۔

دمشق کا چار روز تک محاصرہ رہا۔ یہ شہر اِس سے کہیں بڑا تھا جتنا عیسائی سمجھے ہُوئے تھے۔ ان کے پاس اتنے آدمی نہیں تھے جتنے اس کا محاصرہ کرنے کے لیے درکار تھے۔ پھر ان کے پاس شہر کی مضبوط

دیواروں میں رخنے ڈالنے کے قابل آلات بھی نہیں تھے۔ اور لُطف کی بات یہ ہوئی کہ جونہی یہ وہاں پہنچے، آپس میں اس پر ردّوکد کرنے لگے کہ یہ شہر فتح ہو جانے کے بعد اس کا حاکم کون بنے گا۔ اس دوران میں جب یہ آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے امیرِ دمشق نے دیکھا کہ اس کے پاس صلیبیوں سے زیادہ سپاہی ہیں تو اس نے ان پر حملہ کر دیا اور کسی خاص زحمت کے بغیر ان کو مار بھگایا۔ جب صلیبی جولائی کے مہینے کی گرمی میں یروشلم کی سڑک پر پسپائی کر رہے تھے مُسلمان تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش کرکے ان کے سینکڑوں آدمی اور گھوڑے ہلاک کر دیے۔

اِس وقوعے کے بعد کونراڈ طیش کھاتا ہوا اپنے مُلک کو واپس چلا گیا۔ لوئی ہفتم کچھ عرصے تک انطاکیہ اور یروشلم کے اطراف میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا اور اس دن کو ٹالتا رہا جب اسے یہ اقرار کرنا تھا کہ وُہ ایک صلیبی کی حیثیت میں ناکام رہا ہے اور اب اسے اپنے ملک میں واپس پہنچ کر یہ کہنے کا منہ نہیں ہے کہ اتنا لمبا سفر کرنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کرکے آیا ہے۔

لیکن بالآخر فرانسیسی بھی پیچ و تاب کھاتے ہوئے
اپنے مُلک کو واپس ہوئے ۔ اب انہیں جرمنوں سے
بھی اتنی ہی نفرت ہو گئی تھی جتنی باز نطینیوں سے 520
تھی ۔ آدمی سے جب کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اُسے
اس کے اعتراف کی جرأت نہیں ہوتی ۔ بہت کم لوگ
ایسے ہوتے ہیں جو غلطی کرنے کے بعد اس کا اعتراف
بھی کر لیں ۔ صلیبی جنگ آزما بھی اپنی غلطی ماننے کو
تیار نہیں تھے ۔ فرانسیسی کونراڈ پر یہ الزام دھرتے
تھے کہ اُس نے نیقیہ کے جنوب میں اپنی ساری فوج
گنوا دی اور باقی تمام پریشانیوں کا ذمّہ دار شہنشاہ
مینوئل کو ٹھہراتے تھے ۔ جب یہ اپنے مُلک میں پہنچے
تو کہنے لگے کہ ایک اور صلیبی جنگ ہونی چاہیے ۔
اور اب کے صلیبیوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کرکے شہنشاہ
مینوئل کے کس بل نکالنے چاہئیں ۔ برنارڈ نیز
کلیسائے پیرس کا بڑا پادری ، دونوں اس خیال سے
متفق تھے مگر وہ حالات کی تصویر کا صرف ایک
رُخ پیش کر رہے تھے ۔ جس سے فرانسیسیوں کی مظلومیت
اور باز نطینیوں کی زیادتی کا پہلو نکلتا تھا ۔ یہ نہیں بتا
رہے تھے کہ فرانسیسیوں نے باز نطینیوں کے ساتھ کیا کیا

زیادتیاں کیں ۔ پوپ نے انھیں سمجھایا کہ اُن کی یہ روش احمقانہ ہے ۔ جرمن شہنشاہ نے بھی یہی کہا ۔ لیکن دلوں میں جو فرق پڑ چکا تھا وہ دُور نہیں ہوُا ۔ عیسائیوں میں بے اعتمادی اور بدگمانی کی وجہ سے تفرقہ پڑ گیا ۔ اُن میں سے بہت سوں کا یہی خیال تھا کہ بازنطینی دشمنی کرنے کے معاملہ میں عربوں سے بھی بُرے ہیں ۔

جہاں تک مُسلمانوں کا تعلق ہے ، وہ اب اتنے متحدّ تھے کہ پہلے کبھی اتنے متحدّ نہیں ہُوئے تھے ۔ اور اُن کا عظیم قائد نورالدین زنگی یروشلم کی عیسائی حکومت کو بھی اسی طرح ختم کرنے کا منصوبہ تیار کر رہا تھا ۔ جس طرح اس نے اڈیسہ کی حکومت کو ختم کیا تھا ۔

صلاح الدّین کا بیت المقدس پر قبضہ

دُوسری صلیبی جنگ میں عیسائیوں کی ناکامی کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا، یروشلم کی عیسائی حکومت کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا۔ جب نورالدین زنگی کا انتقال ہوا تو ایک عرصے تک عیسائی یہ آس لگائے بیٹھے رہے کہ اب مُسلمان کمزور ہو جائیں گے اور اِن میں پھُوٹ پڑ جائے گی لیکن اُن کی یہ آرزو بر نہ آئی۔ مُسلمانوں میں زنگی کے بعد صلاح الدین اٹھا تو وہ اپنے پیشرو سے بھی بڑا قائد نکلا اور اُس نے عیسائیوں کے خلاف جہاد کا عزم کر لیا[1]۔

پھر عیسائیوں پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ یروشلم کا عیسائی بادشاہ بالڈون چہارم بیمار پڑا اور مر گیا۔ وُہ ایک دلیر جنگجو اور بڑا عمدہ سپہ سالار تھا۔ اس کی موت سے عیسائیوں کو بڑا دھکا لگا۔ کیونکہ وہ عین اس وقت مرا

---

[1] دیکھیے تتمّے کے صفحہ ۱۷۲ کا عنوان "مسلمانوں کی تباہی سے سلطان صلاح الدین کو اشتعال"

جب یروشلم کو اُس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی - اُس کا بیٹا ابھی بچّہ سا تھا اور نحیف و نزار بھی ، مگر عیسائیوں نے اُسی کو تخت پر بٹھا دیا - اس کا نتیجہ خبر نہیں کیا نکلتا لیکن نتیجے کی نوبت ہی نہیں آئی - وُہ تخت پر بیٹھنے کے چند ماہ بعد ہی دُنیا سے رخصت ہو گیا -

اب یروشلم کا تخت و تاج گے آف لوزینانؔ[1] کو دیا گیا - جب اُس کے بھائی نے یہ خبر سنی کہ گے کو یروشلم کا بادشاہ بنا دیا گیا ہے تو پہلے تو حیران رہ گیا پھر کہنے لگا "جن لوگوں نے اُسے بادشاہ بنایا ہے اگر وہ مجھے جانتے ہوتے تو انھوں نے مجھے اپنا خُدا ہی بنا لیا ہوتا !" گے کا یروشلم کے تخت پر بیٹھنا یروشلم کے لیے منحوس ثابت ہوُا - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گے بڑا تند خُو اور جلدباز آدمی تھا - اُسے فرانس سے ایک شخص کو ایک معمُولی سی تکرار پر قتل کر دینے کے جرم میں جلاوطن کیا گیا تھا اور وُہ ارضِ مُقدّس میں تازہ وارِد ہونے کی وجہ سے مُسلمانوں سے جنگ کرنے کے ڈھنگ سے بھی ناواقف تھا وُہ نائٹ

---

[1] Guy of Lusignan

جو عربوں کے شیوۂ جنگ سے واقف ہو چکے تھے اسے ترکیبیں بتانے لگے کہ صلاح الدّین سے جنگ کس طرح کرنی چاہیے مگر اُس نے ان کی ایک نہ مانی اور برعکس روش اختیار کرکے ایسی زبردست شکست کھائی، جس سے یروشلم کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یروشلم میں ہر شخص نے اُسے یہی صلاح دی کہ تمھارے صلاح الدین کے مقابلہ میں ڈٹے رہنے کی تنہا صورت یہ ہے کہ جنگ کو ٹالتے رہو۔ اگر تم اپنے فصیل دار شہروں اور محلّات سے باہر نکل کر کھلے میدان میں صلاح الدّین سے نہ لڑے تو بہت ممکن ہے اس کے سپاہی اکتا کر اس کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنے اپنے گھر کا راستہ لیں۔

گے کو یہ صلاح دینے والے وہ نائٹ تھے جو صحرا نشینوں کی خُو خصلت سے واقف ہو چکے تھے۔ اُنھیں معلوم تھا کہ مُسلمان سپاہیوں کو جنگ نہ ہونے کی صورت میں میدانِ جنگ میں روکے رکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ انھوں نے گے کو گُرُ کی بات بتائی تھی، مگر اس نے اُن کی صلاح ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ خواہ کچھ ہو میں بزدلوں جیسی حرکتیں نہیں

کر سکتا۔ وہ اپنے دِل میں یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ صلاح الدین کو شکست دینے کا طریقہ یہی ہے کہ اُس کا تعاقب کر کے اسے لڑنے پر مجبُور کر دیا جائے چنانچہ وادیٔ اردن سے گزر کر طبرقہ تک پہنچ گیا۔ یہ سارا علاقہ مُسلمانوں کا تھا۔ گے اس میں سے گزرتا چلا گیا مگر صلاح الدین نے اس سے کہیں بھی جنگ نہ کی بلکہ پیچھے ہی ہٹتا گیا۔ تاکہ عیسائی فوجیں اپنے قلعوں سے زیادہ سے زیادہ دُور ہو جائیں اور پھر جب صلیبی اپنے جنگی اڈوں سے بہت دُور نکل گئے تو اس نے اپنی فوجیں اُن کے اور اُن کے قلعوں کے درمیان لا کھڑی کیں۔ اس سے عیسائی ایک خشک وادی میں بند ہو گئے۔

گے نے اس غلط اقدام سے خود کو مصیبت میں مبتلا کر لیا۔ وُہ یروشلم کے سارے کے سارے جنگجو اپنے ساتھ لے آیا تھا اور مزارِ مسیحؑ کی اصلی صلیب بھی اس کے ہمراہ تھی جسے بطور عَلم استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ جنگجو اور یہ اصلی صلیب عیسائیوں کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ یہ سرمایہ گے نے داؤں پر لگا دیا تھا اور بازی جیتنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔

عیسائی فوج ایک بے آب و گیاہ پہاڑ پر مایوسی کی

تصویر بنی کھڑی تھی اور نیچے کی اُس سرسبز شاداب وادی کو حسرت سے تک رہی تھی جس میں ایک جھیل کا پانی جھلملا رہا تھا - جولائیؑ کا آغاز تھا - دن بے حد گرم تھا تیز دُھوپ کی کرنیں تیروں سے زیادہ تکلیف دنے رہی تھیں اور حَبس بھی تھا - صُبح کو مُسلمانوں نے اس جھاڑ جھنکاڑ میں آگ لگا دی تھی جو گے کی فوج کے اردگرد پھیلا ہوا تھا - یہ آگ بُہت جلد بھڑک اُٹھی تھی - اب اس کا گرم گرم دھواں عیسائیوں کی طرف آ رہا تھا اور اس سے ان کا دم گُھٹا جا رہا تھا[۱]-

گے اور اس کے ساتھی حالات اِتنے مایوس کُن ہونے کے باوجود دن بھر جنگ کرتے رہے - مگر کب تک! آخر ہار کر ہتھیار ڈالنے لگے - جب اُن کے آخری گروہ نے ہتھیار ڈالے اس وقت تک وہ گرمی اور پیاس سے اتنے نڈھال ہو چکے تھے کہ انھیں کھڑے رہنا دشوار ہو رہا تھا اور بعض تو اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اُن میں اپنی تلوار فاتح کے حوالے کرنے تک کی سکت نہ تھی -

انھیں ہتھیار ڈالتے دیکھ کر صلاح الدّین کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے - ظاہر تھا اس شکست کے

---

[۱] دیکھیے تتمے کے صفحہ ۱۷۹ کا عنوان "گے کی شکست"

بعد یروشلم کی عیسائی حکومت کا سنبھل سکنا مشکل تھا۔ اس نے سوچا اب کوئی دن جاتا ہے شہر یروشلم پر بھی اُس کا قبضہ ہو جائے گا۔

اُس موسمِ گرما کے بقیہ ایّام میں اس نے عیسائیوں کے سب قلعے یکے بعد دیگرے فتح کر لیے اور اکتوبر کے مہینے میں یروشلم کی مسجدِ عمرؓ میں دوگانۂ شکر ادا کیا[۱]۔

صلاح الدّین بڑا رحمدل اور انصاف پسند آدمی تھا[۲]۔ اُس نے گے کی جان بخش دی اور جو نائٹ میدانِ جنگ میں قتل یا گرفتار ہوئے تھے اُن کے بیوی بچّوں کو بھی اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اس نے یروشلم میں عیسائیوں کی عمارتوں کو نذرِ آتش نہیں کیا اور شہر میں داخل ہونے کے صرف تین دِن بعد وہاں کے گرجا راہبوں اور اسقفوں کے حوالے کر دیے۔ مزارِ مسیحؑ صرف تین دن بند رہا۔ اُس کے بعد عیسائی زائروں کے لیے کھول دیا گیا۔

لیکن عیسائی دُنیا کے لیے یہ حقیقت بہرحال تلخ

---

[۱] دیکھیے تتمے کے صفحہ ۱۸۲ کا عنوان "یروشلم کی جنگ"

[۲] دیکھیے تتمے کے صفحہ ۱۸۷ کا عنوان "عیسائیوں کا یروشلم سے پُرامن انخلا"

تھی کہ ارضِ مُقدّس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے یورپ میں خبر پہنچی کہ پہلی صلیبی جنگ کے حاصل کو لاحاصل بنا دیا گیا ہے[۱]۔

بیت المقدس ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔

---

[۱] دیکھیے نقشے کے صفحہ ۱۹۳ کا عنوان "سقوطِ یروشلم پر یورپ میں تہلکہ مچ گیا"۔

۲ دو بادشاہ صلیبی بن گئے

جب تیسری صلیبی جنگ چھڑی اُس وقت شاہِ انگلستان رچرڈ اوّل اور شہنشاہ فرانس فلپ آگسٹس ایک دوسرے کے پکے دوست تھے مگر جب یہ جنگ ختم ہوئی ، اُس وقت تک بدترین دشمن بن چکے تھے اور ایک دُوسرے سے خونریز جنگ کرنے پر تلے ہُوئے تھے۔ اِن دونوں میں دشمنی ہو جانا تو قرینِ قیاس تھا۔ مگر اُن کی دوستی دیکھنے والوں کے لیے باعثِ حیرت تھی کیونکہ دونوں میں کوئی ایک بات بھی مشترک نہیں تھی۔

رچرڈ چھ فٹ تین انچ کا ، سرخ بالوں والا لمبا تڑنگا آدمی تھا جس کا ڈیل ڈول پہلوانوں جیسا تھا۔ اُسے جو بات سُوجھ جاتی اُس پر فوراً عمل کر گزرتا اور جو بات دِل میں ہوتی بے تکلف زبان پر لے آتا۔ لڑائی بھڑائی ، سیروشکار اور کھلی فضا اُسے بہت پسند

تھی۔ اِس کے بر عکس فلپ آگسٹس لاغر اور کمزور جسم کا آدمی تھا اور خطرے میں پڑنے سے گھبراتا تھا۔ اُسے تاریک گوشوں میں بیٹھ کر خفیہ منصوبے بنانے کا بڑا شوق تھا اور اُس کا محبوب ترین شغل ایک شخص کی تمناؤں اور عزائم کو دوسرے کی تمناؤں اور عزائم سے ٹکرانا تھا۔ اِن دونوں کے بارے میں یہ بات تو بہ آسانی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایک دُوسرے سے نفرت کیوں کرنے لگے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دوست کیوں بن گئے تھے۔

بہر حال، جولائی ۱۱۹۰ء میں، جب یہ دونوں ویزیلے[1] کے مقام سے اپنی اپنی زبردست مُسلّح فوجوں سمیت ارضِ مُقدّس کی طرف روانہ ہُوئے، اس وقت بڑے گہرے دوست تھے۔ برگنڈی کے تاکستانوں سے لیونز[2] تک دونوں نے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہوئے اس طرح راستہ طے کیا جیسے کسی کھیل میں حصّہ لینے جا رہے ہیں۔ لیونز پر ایک دوسرے سے الگ ہو کر جُدا جُدا راستوں پر روانہ ہوئے۔ شہنشاہِ فرانس نے جنوا[3] کا رُخ کیا، جہاں اطالوی جہازوں کا ایک بیڑا اُس کا

---

[1] Vezelay [2] Lyons [3] Genoa

اور اُس کے سپاہیوں کا انتظار کر رہا تھا - رچرڈ رونؔ سے مارسیلز پہنچا جہاں سے اُسے اپنے جہازوں پر سوار ہونا تھا - برطانوی جہازوں کے اس بیڑے کو خلیج بسکے سے گزر کر اسپین کے گرد ہوکر وہاں پہنچنا تھا لیکن مارسیلز میں معلوم ہوُا کہ بیڑا ابھی تک نہیں پہنچا - اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ملاّح اور سپاہی راہ میں ایک جنگ میں اُلجھ گئے تھے - اُنھوں نے لزبن میں پرتگیزوں اور مُسلمانوں میں لڑائی ہوتی دیکھی تھی تو پرتگیزوں کو مدد دینے کے لیے وہاں اتر پڑے تھے - اس طرح اُنھیں مارسیلز پہنچنے میں ایک مہینے کی دیر ہو گئی تھی۔

رچرڈ مارسیلز میں ایک دو ہفتے تک تو انتظار کرتا اور ہر روز یہی سمجھتا رہا کہ آج جہاز پہنچ جائیں گے مگر جب وُہ اتنے دن تک بھی نہ پہنچے تو اُس کی طبیعت گھبرانے لگی - اب کوئی شغل چاہیے تھا - اس نے چند تیزرو جہاز کرائے پر لیے، اطالوی ساحل کی سیر کرنے روانہ ہو گیا اور مارسیلز میں اپنے بیڑے کے نام یہ پیغام چھوڑ گیا کہ سسلی میں مسّینؔا کے مقام پر اس سے آملے -

---

Rhone ؔل — Messina ؔط

رچرڈ کا بحری بیڑا، جس میں جنگی اور بار بردار سب ملا کر کل ایک سو چھ جہاز تھے، مسینا کے شمال مغرب میں کراٹے کے جہازوں سے آ ملا - اگلے دن یہ سب اپنے جنگی پرچموں کی نمائش کرتے اور نقرئی ترُم بجاتے ہوُئے بندرگاہ میں داخل ہوُئے - جب رچرڈ جہاز سے اُترا اس وقت شہنشاہِ فرانس بندرگاہ کی گودی میں موجود تھا - اُس نے رچرڈ کا بڑے تپاک اور گرمجوشی سے استقبال کیا لیکن اس تپاک اور گرمجوشی میں کچھ ایسی بات تھی کہ رچرڈ کے دل میں اُس کی طرف سے شک پیدا ہو گیا -

پھر جب وُہ اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو یہ شک اور بڑھ گیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہِ سسلی کی طرف سے اسے تو قیام کے لیے ایک چھوٹا سا مکان دیا گیا تھا جو شہر کے باہر تھا اور اس کے لشکریوں کو بھی ساحل کے پاس ایک معمولی سی چھاؤنی میں ٹھہرا دیا گیا تھا لیکن فرانسیسی شہنشاہ شہر کے قصرِ شاہی میں مقیم ہوُا تھا - اور اُس کے سپاہیوں کو رچرڈ کے سپاہیوں کی طرح شہر کے باہر نہیں بلکہ شہر کے اندر ٹھہرایا گیا تھا۔ سسلی کا بادشاہ ٹینکریڈ[1] اس وقت وہاں سے بہت دُور

---

[1] Tancred

پلرمو میں تھا - اُس نے رچرڈ کو خیر سگالی کا پیغام بھی نہیں بھیجا - اس کا یہ طرزِ عمل رچرڈ کے لیے تعجب خیز نہیں تھا - ٹینکریڈ غاصب تھا - وُہ سسلی کے سابق بادشاہ نیک دلیم کے انتقال پر زبردستی بادشاہ بن بیٹھا تھا - ولیم کی شادی ایک انگریز خاتون جوآنا سے ہوئی تھی - وہ رچرڈ کی بہن تھی - ولیم مرتے وقت ایک بہت بڑی رقم رچرڈ کے باپ ہنری دوم کے نام چھوڑ گیا تھا لیکن ٹینکریڈ نے جوآنا کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ رقم بھی اپنے کام میں لے آیا تھا - رچرڈ نے اُس کے نام ایک مختصر سا خط لکھا تھا جس میں اپنی بہن کی اور اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا - ٹینکریڈ نے جوآنا کو تو اس کے پاس بھیج دیا تھا لیکن رقم واپس نہیں کی تھی -

رچرڈ کو یہ شک گزرا کہ ٹینکریڈ اور فلپ آگسٹس اس کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اپنے آدمیوں کو تاکید کر دی کہ ہوشیار رہیں -

رچرڈ کا شک بے جا نہیں تھا - ۴، اکتوبر کو وہ فلپ آگسٹس اور ٹینکریڈ کے نمایندہ امیروں سے نئی صلیبی جنگ کے سلسلے میں صلاح مشورہ کرنے ایک کانفرنس میں گیا تو سسلی کی فوج نے بڑی خاموشی سے انگریزی

فوج کی چھاؤنی کا محاصرہ کر لیا اور شہر کے دروازے بند کر کے فصیل پر مورچے قائم کر لینے کے بعد اس چھاؤنی پر دھاوا بول دیا۔ لیکن انگریز سپاہی مسلّح اور جنگ کے لیے تیار کھڑے تھے۔ انھوں نے ٹینکریڈ کی فوج کی خوب تواضع کی۔ دس گھنٹے کے اندر اندر رچرڈ نے سسلی کی فوج کو منتشر کر دیا، شہر کے دروازے توڑ ڈالے اور اسے لُوٹنا شروع کر دیا۔ رچرڈ نے سسلی کی فوج کو اُس کی دغابازی کی سزا دینے کے لیے اپنے سپاہیوں کو اجازت دے دی تھی کہ جو کچھ لُوٹا جا سکے لوٹ لو۔ اگلے دِن صُبح کو رچرڈ نے اپنا تین چیتوں والا پرچم مسینا کے برجوں پر اس طرح لہرا دیا۔ جیسے دشمن کا ایک شہر فتح کر لینے کے بعد انگریز جشن منا رہے ہیں۔

ٹینکریڈ گھبرا اُٹھا اور وہ رقم لے کر حاضر ہوا، جو رچرڈ نے طلب کی تھی۔ یہی نہیں، اس نے فلپ کے وہ خط بھی رچرڈ کو پیش کر دیے جو فلپ نے اُسے رچرڈ پر حملے کی ترغیب دینے کے لیے لکھے تھے۔ رچرڈ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ فوراً شاہِ فرانس سے ملنے پہنچا اور اُس سے جواب طلب کیا۔ فلپ نے کہہ دیا کہ یہ خط جعلی ہیں، رچرڈ یہ باتیں اس لیے کہہ

رہا ہے کہ اس کے دِل میں چور ہے اور وہ اِس بہانے
ایڈیلائس[1] سے منگنی توڑنی چاہتا ہے ۔ ایڈیلائس شاہِ فرانس
کی بہن تھی ۔ رچرڈ خاموش رہا ۔ فلپ نے سلسلۂ کلام
جاری رکھتے ہوئے رچرڈ سے کہا " مجھے اپنے مخبروں
کے ذریعے اطلاع مِل چکی ہے کہ تم اسپین کی شہزادی
بیرنگاریا[2] سے شادی کرنی چاہتے ہو حالانکہ تمھاری ایڈیلائس
سے باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ
تم نے شہزادی بیرنگاریا کو مسینا بلایا ہے اور وہ اِدھر
روانہ بھی ہو چکی ہے ۔" رچرڈ نے خشک لہجے میں جواب
دیا کہ ہاں یہ سب ٹھیک ہے ۔ غرض فلپ آگسٹس
نے اپنی دغا بازی کے معاملے کو دبانے کے لیے گفتگو کا
رُخ رچرڈ کی اُس زیادتی کی طرف پھیر دیا جو رچرڈ نے
اُس کی بہن سے کی تھی ۔ چنانچہ ان دونوں میں ایک
معاہدہ ہوا جس کی رُو سے رچرڈ نے ایڈیلائس سے
منگنی توڑنے کی پاداش میں ایک خطیر رقم ادا کرنے کا
وعدہ کیا اور ٹینکریڈ کے پیش کیے ہوئے خطوں کے
اصلی یا جعلی ہونے کا قضیہ داخلِ دفتر ہو گیا ۔
اِن دونوں بادشاہوں نے موسمِ سرما مسینا میں ساتھ

---

[1] Adelais

[2] Berengaria

ساتھ گزارا ۔ مارچ کے مہینے میں فرانسیسی فوجیں اہل جنوا کے جہازوں میں بیٹھ کر بیت المقدس روانہ ہو گئیں ۔ انگریزی فوجیں اپریل میں روانہ ہوئیں ۔ مگر روانگی کے دو روز بعد انگریزی بیڑا ایک ہولناک طوفان سے تتر بتر ہو گیا اور اس کے بیشتر جہاز کریٹ جیسے دُور دراز مقام تک بہ گئے ۔ پھر جب یہ بیڑا دوبارہ جمع کیا گیا تو معلوم ہُوا کہ پچیس جہاز گم ہیں ، جن میں سے دو باربردار جہاز ہیں ۔ اِن دونوں جہازوں میں سے ایک پر وُہ خطیر رقم تھی جو رچرڈ ہمراہ لایا تھا اور دوسرے پر اس کی بہن جوآنا اور منگیتر بیرنگاریا سوار تھیں ۔ رچرڈ نے اُن کی تلاش کے لیے کئی تیز رفتار جہاز روانہ کیے ۔ اُنھوں نے پتا چلا لیا کہ یہ دونوں جہاز قبرص کے ایک مقام لیماسول[1] میں صحیح سلامت موجود ہیں ۔ اتفاق سے انگریزی بیڑے کے تین چار جہاز اور بھی طوفان میں بہ کر اُدھر ہی چلے گئے تھے اور اس وقت ساحل کے قریب کھڑے تھے ۔ قبرص کے بادشاہ آئزک[2] نے ان طوفان زدہ جہازوں کے سب آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا ۔ جو کچھ اُن کے

---

[1] Limmasol [2] Isaac

پاس تھا وُہ بھی چھین لیا تھا ۔ اُنھیں ٹھیک طرح کھانے کو بھی نہیں دے رہا تھا اور دونوں باربردار جہازوں کو مالِ غنیمت سمجھ رہا تھا ۔ رچرڈ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُسے بڑا غصّہ آیا اور فوراً قبرص روانہ ہو گیا تا کہ آئزک کو اس شرارت کا مزہ چکھائے ۔

لیماسول پہنچ کر اس نے ایک مختصر سی جنگ کے بعد اُس پر قبضہ کر لیا ، اگلے دن قبرص کی فوج کو مار بھگایا اور اس کی چھاؤنی پر قابض ہو گیا ۔ اس فتح کا جشن اس نے بیرنگاریا سے شادی کر کے منایا اور اس کے فوراً بعد آئزک سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا یہ ملاقات بڑی " رنگین " تھی ۔ قبرص کا بادشاہ شاہانِ روم جیسے ارغوانی جامے میں ملبوس تھا ۔ رچرڈ عروسی جوڑا پہنے ہُوئے تھا ۔ گلابی رنگ کی صدری ، سُرخ مخمل کی ٹوپی اور گہرے نیلے رنگ کا لبادہ ، جس پر نقرئی ہلال ٹنکے ہوئے تھے ۔ اس کی کمر میں طلائی دستے کی شمشیر لٹکی ہوئی تھی اور جس گھوڑے پر سوار تھا ، اس کی زین سُرخ مخمل کی تھی جس پر زرّین ستارے ٹنکے ہوئے تھے ۔ رچرڈ نے اس ملاقات کے لیے انجیر کے درختوں کے جھنڈ میں ایک خوشنما خیمہ نصب کرایا

تھا جس پر زری کا کام کیا گیا تھا۔ یہ خیمہ آئزک کے لیے نیا نہیں تھا کیونکہ چند دن پہلے اسی کی ملکیّت تھا۔

ملاقات دوستانہ ماحول میں ہوئی اور دونوں بادشاہ ایک دوسرے سے دوستانہ طریقے سے پیش آئے، لیکن جب آئزک نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اُسے معلوم ہوا کہ یہ بات اسے پسند ہو یا نہ ہو مگر اب وہ رچرڈ کا "مہمان" ہے۔ اس نے رات کے وقت اس خیمے کو پھاڑ کر راستہ نکالا، جس میں اسے قید کیا گیا تھا، چپکے سے باہر نکلا، اندھیرے میں اپنے گھوڑے فاول کو تلاش کیا اور اس پر بیٹھ کر وہاں سے نکل بھاگا۔

رچرڈ پندرہ روز تک آئزک اور اس کے گھوڑے کو سارے جزیرے میں تلاش کرتا پھرا اور اس تعاقب کے دوران میں قبرص کا ہر قلعہ اور ہر ایک شہر فتح کر لیا۔ اُدھر آئزک ہمّت ہار گیا اور ایک روز رچرڈ کے پاس پہنچ کر خود کو اس کے حوالے کر دیا البتہ یہ التجا کی کہ ایک تو اُس کی جان نہ لی جائے دوسرے اُسے لوہے کی زنجیریں نہ پہنائی جائیں۔

رچرڈ نے زہر خند کیا اور یہ دونوں باتیں مان لیں۔
اور پھر اس مُعزّز قیدی کے لیے چاندی کی زنجیریں گھڑوائیں۔

جب رچرڈ آئزک کا تعاقب کر رہا تھا اس دوران میں کئی مرتبہ ایسا ہُوا تھا کہ رچرڈ نے آئزک کو جا لیا تھا لیکن ہر مرتبہ جب آئزک نے اپنے گھوڑے فاول کو ایڑ لگائی تھی تو وہ تعاقب کرنے والے صبا رفتار گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر ان کے سواروں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس کی یہ تیز رفتاری دیکھ کر رچرڈ کے دل میں فاول پر قبضہ جمانے کی آرزو چٹکیاں لینے لگی تھی۔ اب فاول اس کے قبضے میں آ گیا تو رچرڈ کو جتنی خُوشی ہوئی اتنی نئی سلطنت ملنے سے بھی نہیں ہُوئی۔ وجہ یہ تھی کہ اتنا نفیس گھوڑا اس کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ فاول سے کیا کام لے گا مگر یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ جزیرۂ قبرص کا کیا کرے گا۔ آئزک کو چاندی کی زنجیروں میں جکڑ دینے کے بعد رچرڈ قبرص میں آٹھ دن اور رہا۔ پھر وہاں سے ارضِ مقدّس کی جانب روانہ ہو گیا اور پھر کبھی قبرص نہیں گیا۔ بعد

میں اُس نے یہ جزیرہ گے آف لوزینان کو تحفے کے طور پر دے دیا تاکہ اُسے یروشلم کی حکومت ہاتھ سے نکل جانے سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ہو جائے - لیکن جب تک بیتُ المقدس میں رہا فاول کو اپنے سے جُدا نہیں کیا -

رچرڈ نے فاول سے اچھا گھوڑا کبھی نہیں دیکھا تھا -

عکّہ کا محاصرہ

رچرڈ جون کے مہینے میں ارضِ مُقدّس پہنچا تو شہر عکّہ[1] کے محاصرے میں فلپ آگسٹس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ عیسائی فوجوں نے دو سال سے اس شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

عکّہ ایک راس پر واقع تھا۔ اس کی دیواریں انگریزی زبان کے حرف ایل (L) کی طرح بنی ہوئی تھیں۔ شہر کی فصیل پر ایک بڑا سا برج تھا جس کا نام عیسائیوں نے "برجِ شوم" رکھا تھا۔ صلیبیوں کا لشکر فصیل کے باہر اس کے لگوان لگوان، مگر اس سے کچھ فاصلے پر، پڑا ہوا تھا۔ وہ شہر کے مُسلمانوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور شہر کے باہر مسلمان فوج نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس طرح محاصرے کرنے والے خود بھی محاصرے میں تھے۔

---

[1] Acre

رچرڈ نے فرانسیسیوں کے حملے کا نظارہ کیا

رچرڈ نے عیسائی فوجوں کی صفوں کو دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ وہ شہر کی دیوار سے کافی دور ہیں ۔ اس کے خیال میں محاصرے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ نزدیک سے حملہ کیا جائے اس کے لیے اپنے تیراندازوں اور اپنی منجنیقوں کو محصُور شہر کی دیوار کے زیادہ سے زیادہ قریب کھڑا کرنا چاہیے تاکہ دشمن پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ مسلسل ہوتی رہے ، اس سے فوجی انجنیئر دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ کر محصور شہر کی دیوار میں شگاف کرنے یا اس کی جڑیں کھودنے کا کام بہ آسانی کر سکتے ہیں ۔ عکّہ میں رچرڈ نے یہ بات ایک ہی نظر میں تاڑ لی کہ عیسائی سپاہی شہر کی دیوار سے اتنے دُور ہیں کہ وُہ شہر والوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔

مگر جب رچرڈ نے فرانسیسی سرداروں سے یہ بات کہی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ بات ہم بھی اچھی طرح جانتے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر اپنی چوبی منجنیقیں شہر کی دیواروں کے زیادہ نزدیک لگائی جائیں تو مسلمان تانبے کی بڑی بڑی شعلہ بار ہانڈیاں پھینکنے لگتے ہیں اور یہ ہانڈیاں جب زمین پر گرتی ہیں تو ہر طرف شعلے ہی

شعلے ہوتے ہیں - ہماری درجنوں منجنیقیں مسلمانوں کی ان
شعلہ بار ہانڈیوں سے جل کر ضائع ہو چکی ہیں - مگر
جب رچرڈ نے اس بات پر زور دیا کہ تیروں اور پتھروں
کی بوچھاڑ قریب سے ہونی چاہیے تو فرانسیسی مہندسوں
نے اس دشواری کا ایک حل نکالا - اُنھوں نے یہ
سوچا کہ مُسلمان شعلہ بار مسالا تانبے کی ہانڈیوں میں
رکھ کر پھینکتے ہیں - اس سے ظاہر ہے کہ اس مسالے
سے تانبا نہیں جلتا ، اگر ہم اپنی منجنیقوں پر تانبے
کی چادریں چڑھا دیں تو ان پر بھی آگ اثر نہیں
کرے گی چنانچہ فرانسیسیوں نے مسلمانوں پر نیا حملہ
کرنے سے پہلے اپنی منجنیقوں پر تانبے کی چادریں
چڑھا لیں -

اس نئی تیاری کے بعد جب فرانسیسی فوجوں نے
مسلمانوں پر حملہ کیا تو رچرڈ دیکھنے لگا کہ اس کا
نتیجہ کیا نکلتا ہے - فرانسیسیوں کا سارا دارو مدار اپنے
اس پہیے دار چوبی برج پر تھا جو لمبائی میں عکّہ کی
دیوار سے بھی اُونچا تھا - اگر اسے دھکیل کر دیوار
کے قریب کھڑا کر دیا جاتا تو اس کی چھت سے عیسائی
تیرانداز "برج شوم" کے مدافعین پر پتھر اور تیر برسا

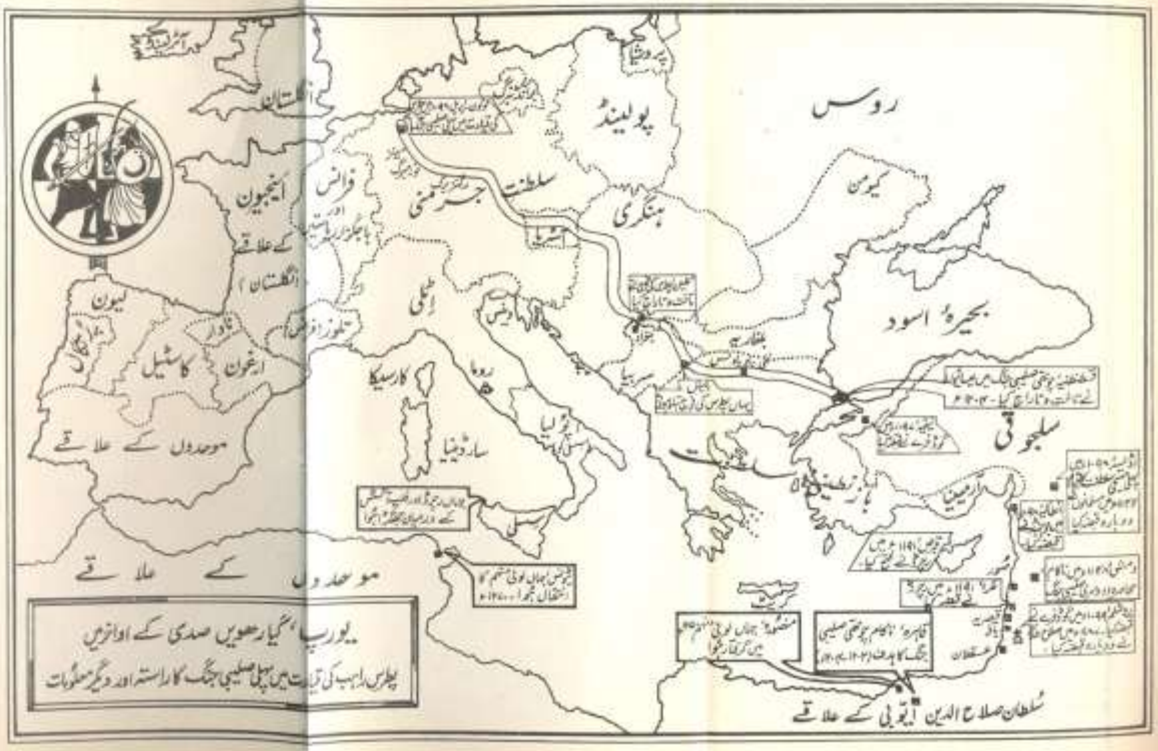

یورپ، گیارھویں صدی کے اواخر میں
پطرس راہب کی قیادت میں پہلی صلیبی جنگ کا راستہ اور دیگر معلومات
روس
پولینڈ
ہنگری
سلطنت جرمنی
فرانس
انگلستان
انجیون
کے علاقے
لیون
کاسٹیل
ارغون
ناوار
اٹلی
کارسیکا
روما
سارڈینیا
موحدوں کے علاقے
موحدوں کے علاقے
بحیرۂ اسود
کیومن
سلجوقی
بلغاریہ
آرمینیا
سلطان صلاح الدین ایوبی کے علاقے

سکتے تھے ۔ مگر جب یہ برج چرّخ چوُں چرّخ چوُں کرتا ہُوا دیوار کی طرف چلا تو مُسلمانوں نے تانبے کی شفاف چادروں پر، جو دھوپ میں چمک رہی تھیں، مٹی کی ہانڈیوں کی بارش شروع کر دی جو برج سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹتی رہیں ۔ ان ہانڈیوں میں ایک بے رنگ سیال ہوتا جس کا برج پر چھڑکاؤ ہو جاتا اور جو اُس کی سطح پر بہنے لگتا ۔ مگر اس سیّال سے نہ آگ لگتی نہ شعلہ نکلتا ۔ فرانسیسی بہت خوش ہُوئے اور اُنھیں یقین ہو گیا کہ تانبے کی چادروں سے کام بن جائے گا ۔ شہر کی دیوار پر سے مٹی کی مزید ہانڈیاں پھینکی گئیں جو برج سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ گئیں ۔ اس اثنا میں برج آگے بڑھتا رہا ۔ اِس پر ہانڈیوں کے سیّال کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا ۔ تیراندازوں کے کپڑے اور برج کی لکڑی بھیگ تو جاتی مگر نقصان کچھ نہ ہوتا ۔ جو فرانسیسی چوبی برج پر چڑھے ہُوئے تھے ۔ اُنھوں نے "برج شوم" کے مدافعین پر آوازے کستے ہُوئے تیر برسانے شروع کر دیے ۔ دفعتہً ایک درخت کا جلتا ہوا ٹہنا عکہ کی دیوار کی طرف سے آ کر چوبی برج پر لگا ۔ وُہ چند لمحے اس کے قریب پڑا چڑڑ چڑڑ کرکے جلتا رہا ۔

پھر ایک بڑے سارے شعلے نے بھبک کر برج کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پل بھر کے اندر اندر برج دھڑ دھڑ جلنے لگا - یوں وہ بھی جل کر خاک ہو گیا اور جتنے آدمی اس پر تھے وہ سب بھی زندہ جل گئے -

فرانسیسیوں پر اس سے ایسا ہراس طاری ہوا کہ وُہ حواس باختہ ہو کر پیچھے ہٹ آئے اور حملہ ناکام ہو گیا -

فلپ آگسٹس اس ناکامی کے صدمے سے بیمار پڑ گیا اور چند روز بعد تپ و لرزہ میں مبتلا ہو کر صاحبِ فراش ہو گیا - یہ بیماری ساری عیسائی فوج میں پھیلی ہوئی تھی - فلپ کا ابنِ عمّ کاؤنٹ آف فلینڈرز ، نیز کئی سو سپاہی ، اس سے مر چکے تھے - ناروے ، سویڈن اور ڈنمارک کے کئی ہزار سپاہیوں میں سے صرف دو سو زندہ بچے ہُوئے تھے - فلپ آگسٹس اس اندیشے سے سہما ہوا تھا کہ وُہ بھی زندہ نہیں بچے گا اور اس پر پچھتا رہا تھا کہ فرانس سے یہاں کیوں آیا - اس وقت تک صلیبیوں کا مُسلّمہ قائد وہی تھا لیکن اب وُہ بیماری اور مایوسی کا شکار ہو گیا تو سپاہ نے اس کو نظر انداز کر کے رچرڈ کی قیادت قبول کر لی -

خود رچرڈ کو بھی بخار چڑھ آیا۔ لیکن اس پر بیماری کا اثر قلب سے مختلف ہوا۔ اس پر یہ دھن سوار ہو گئی کہ محاصرے کو جلد از جلد تکمیل تک پہنچایا جائے چنانچہ انگریز سپاہیوں کو حکم دیا کہ "برج شوم" پر ہر قیمت پر قبضہ کیا جائے اور بستر علالت پر لیٹا لیٹا محاذ پر پہنچ گیا۔ اس وقت اس کا جسم بخار کے زور سے کپکپا رہا تھا، اور پسینے سے شرابور تھا مگر اسی حالت میں اپنے سپاہیوں کو چیخ چیخ کر آگے بڑھنے کا حکم دیتا رہا۔ اس نے اپنے بستر پر فولادی کمان رکھوا لی تاکہ اگر کوئی مسلمان دیوار پر نظر آئے تو اس پر تیر چلا سکے۔ محافظوں نے اس کے بستر کے اوپر چمڑے کی چادر تان دی۔ یہ چادر سرکے میں ڈبو لی گئی تھی۔ اس لیے اس پر شعلہ بار ہانڈیوں کے سیّال کا اثر نہ ہو سکتا تھا۔ انگریز تیرانداز مسلمانوں کو دیوار پر نہ آنے دیتے اور ان کے نقب زن "برج شوم" کی بنیادیں کھود کر ان میں پتھروں کی جگہ لکڑیاں بھر رہے تھے۔ جن کو عنقریب آگ دکھائی جانی تھی۔ جب یہ کام ہو گیا تو وُہ سرنگ سے باہر نکل آئے۔ لکڑیوں کو آگ دکھا دی گئی تھی اس لیے اُن کے پیچھے پیچھے دھوئیں کا ایک دبیز بادل نکلا۔ لکڑیوں نے آگ

پکڑ لی تھی ساری فوج "برج شوم" کے گرنے کا نظارہ دیکھنے کے لیے سراپا اشتیاق بنی کھڑی تھی۔ لیکن ہُوا یہ کہ جب لکڑیاں جل چکیں تو سنگ و خشت کا ایک عظیم تودہ ہلنے تو لگا اور پھر آگے کو بھی جھکا لیکن گرا نہیں۔ اس کا جھکاؤ صلیبیوں کی صفوں کی طرف تھا لیکن وہ گرتا نظر نہ آ رہا تھا۔

رچرڈ حسبِ عادت انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں یہ منظر دیکھتا رہا اور مہندسوں کو کام ٹھیک طرح نہ کرنے پر بُرا بھلا کہتا رہا۔ پھر اس نے غصّے پر قابو پایا اور اپنے سپاہیوں سے چلّا کر کہا کہ جو کوئی عکّہ کی دیوار میں سے ایک پتھر اُکھیڑ کر لائے گا اُسے دو اشرفیاں انعام دُوں گا۔ صلیبی سپاہیوں کے دلوں میں ولولہ تو پیدا ہُوا مگر جب ان مسلمان تیراندازوں کی طرف دیکھا جو فصیل پر پرے جمائے کھڑے تھے تو کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ رچرڈ چلایا۔ "ایک پتھر پر چار اشرفی" اب انگریز سپاہی ہتھوڑے اور چھینیاں لے کر آگے بڑھے اور رات بھر جانیں لڑاتے رہے مگر جب وُہ دیوار سے قریب پہنچتے تو چاندنی میں مُسلمانوں کو نظر آ جاتے اور وُہ اُنھیں مار

ڈالتے ۔ اس طرح انھوں نے سینکڑوں عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ لیکن اگلے دِن "برج شوم" گر ہی پڑا جس سے دیوار میں ایک بڑا سا شگاف ہو گیا ۔

صلیبی جھپٹ کر آگے بڑھے ۔ اُن کی قیادت ایک نائٹ اوبرے کلیمنٹ[1] کر رہا تھا ۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ آج یا تو عکّہ کے اندر داخل ہوں گا یا جان دے دوں گا ۔ صلیبیوں نے دیکھا کہ وُہ دیوار کے شگاف میں تنہا کھڑا ہے اور اُنھیں اپنی طرف بلا رہا ہے ۔ پھر دفعتہً پچاس ساٹھ مُسلمان اس پر ٹوٹ پڑے ۔ چند لمحے بعد صلیبی نائٹ اس کے بے جان جسم پر کھڑے عکّہ کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ دفعتہً ان پر مٹی کی شعلہ بار ہانڈیاں آ آ کر گرنے لگیں، اور ان کے لبادے اُسی سیّال سے بھیگ گئے جو فرانسیسیوں کے چوبی برج پر برسایا گیا تھا ۔ ان ہانڈیوں کے بعد تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی جن کی نوکوں پر جلتے ہُوئے فلیتے بندھے ہوئے تھے ۔ صلیبی سرداروں کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ "برج شوم" کا جو ملبا ان کے اردگرد پڑا تھا وُہ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل

---

[1] Aubrey Clement

ہو گیا ہے۔ وُہ اسلحہ پھینک کر اپنے جلتے ہوئے کپڑوں کی آگ بجھاتے ہوئے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ عکّہ فتح نہیں ہوا، گو "برج شوم" گر چکا تھا۔

لیکن اصل میں عکّہ کے مُسلمان شکست کھا چکے تھے۔ اُنھوں نے رچرڈ کے لشکر کو پیچھے دھکیلنے کے بعد اپنا جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ جو تیس ہزار سپاہی شہر کی حفاظت کے لیے بھیجے تھے ان میں سے صرف چھ ہزار زندہ بچے ہیں اور اِن چھ ہزار میں سے بھی بیشتر زخمی ہیں یا بیمار ہیں۔ پھر ان کی شعلہ بار ہانڈیوں اور تیروں کا ذخیرہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ وہ دو سال تک صلیبیوں کا دباؤ اس امیّد پر برداشت کرتے رہے تھے کہ صلاح الدّین عیسائیوں کا گھیرا توڑ کر انھیں بچائے گا مگر اب اس کی آس بھی نہ رہی اس لیے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے[1]۔

صلاح الدین نے جب یہ سنا کہ عکّہ میں اس کے آدمی گرفتار ہو گئے ہیں تو اس نے ان کا فدیہ دینے کی پیشکش کی۔ صلیبیوں نے تین مُطالبے پیش کر دیے۔ پہلا مطالبہ یہ تھا کہ صلاح الدین وہ اصلی صلیب واپس

[1] دیکھیے نقشے کے صفحہ نمبر ۱۹۴ کا عنوان "عکّہ کا سقوط"۔

کرے جو اُس نے گے آف لوزنیان سے چھینی ہے۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ جو سولہ سَو صلیبی سُلطان کے پاس قید ہیں، اُنھیں رہا کرے، اور تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ دو لاکھ اشرفیاں دے۔اور یہ شرط بھی تھی کہ جب تک آخری صلیبی رہا ہو کر نہ آ جائے گا، اور فدیہ کا آخری سکّہ وصُول نہ ہو جائے گا، اُس وقت تک مُسلمان قیدی رہا نہیں کیے جائیں گے۔

اِس اثنا میں جب صلیبی صلاح الدین سے زرِفدیہ وصُول ہونے کا انتظار کر رہے تھے، پہلے تو آرام کرتے رہے، پھر اُنھوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ فلپ آگسٹس بیماری سے گُھل چکا تھا، پھر طاعون اور لڑائی کی وجہ سے اس کی فوج بھی بہت گھٹ گئی تھی اس لیے وہ فرانس جانے کا فیصلہ کر چکا تھا رچرڈ یروشلم کی طرف کوچ کی تیاریاں کر رہا تھا اس نے فلپ آگسٹس سے کہا کہ اگر وہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے لیکن ڈیوک آف برگنڈی کو دس ہزار فرانسیسی سپاہ سمیت یہیں چھوڑ جائے جو اس کی کمان میں مسلمانوں سے لڑے۔ پھر اس پر بھی جھگڑا ہونے لگا کہ یروشلم کا بادشاہ کس کو بنایا جائے گا۔ رچرڈ کی خواہش

یہ تھی کہ گے ہی کو دوبارہ بادشاہ بنا دیا جائے مگر فلپ کونراڈ آف مونٹ فیراٹ کا حامی تھا اور اس نے اپنی بات منوا بھی لی - اس نے یہ کہہ کر رچرڈ کو اتفاقِ رائے پر مجبور کر دیا کہ اگر کونراڈ کو یروشلم کا بادشاہ بنانے کی تجویز نہ مانی گئی تو وہ ڈیوک آف برگنڈی اور فرانسیسی فوج کو اپنے ساتھ فرانس لے جائے گا۔ رچرڈ نے اس کی بات مان تو لی مگر سمجھ گیا کہ اسے بلیک میل کیا گیا ہے چنانچہ جب فلپ کا جہاز فرانس روانہ ہُوا تو اس نے پھر بڑے غیظ و غضب کا اظہار کیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا -

رچرڈ نے یہ غصّہ ان مُسلمانوں پر نکالا جو اُس کی قید میں تھے - صلاح الدّین کو زرِ فدیہ ادا کرنے کے لیے چالیس دن کی مہلت دی گئی تھی اور پھر کچھ دن اور بڑھا دیے گئے تھے - اچانک رچرڈ کے دماغ میں یہ سما گئی کہ مسلمان اس کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں اس لیے اُنھیں سزا دینی چاہیے -

ایک روز صلاح الدین کے آدمیوں نے صلیبیوں کی لشکرگاہ میں غیر معمولی نقل و حرکت ہوتی دیکھی - تمام صلیبی فوجیں لشکرگاہ سے باہر نکل آئیں اور صفیں

باندھ کر ان پہاڑیوں کی طرف منہ کرکے کھڑی ہو گئیں۔ جن میں مسلمان قیدیوں کے خیمے تھے۔ مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہُوا کہ شاید دشمن ان پر حملہ کرنے کو ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی ہتھیار سنبھال لیے۔ لیکن انھیں عیسائیوں کی طرف سے حملے کے آثار نظر نہ آئے۔ پھر اُنھوں نے دیکھا کہ مُسلمان قیدی مُشکیں باندھ کر لائے جا رہے ہیں۔ اِن قیدیوں کی لمبی قطار کو ایک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا دیا گیا۔ یہ پہاڑی عیسائیوں کی صفوں کے عقب میں تھی۔ مُسلمان سمجھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تاآنکہ رچرڈ کے سپاہیوں نے اِن بے بس قیدیوں کی گردنیں مارنی شروع کر دیں مُسلمانوں نے اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی لیکن وُہ صلیبیوں کی صفوں کو توڑ کر ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس سفّاکی کے بعد رچرڈ نے اپنی فوج کو لشکرگاہ میں واپس چلے جانے کا حکم دے دیا اور دو ہزار چھ سو مُسلمانوں کی لاشیں پہاڑی پر پڑی سڑتی رہیں[۱]۔

اس کے بعد، بہت جلد، رچرڈ طاعون زدہ عکّہ

---

[۱] دیکھیے تتمے کے صفحہ نمبر ۱۹۵ کا عنوان "عکہ کے مسلمانوں کا قتلِ عام"

سے نکل کھڑا ہُوا اور اس نے ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر یافہ کی طرف کوچ کیا جو یروشلم کی بندرگاہ کا کام دیتا تھا۔ اس کا منصُوبہ یہ تھا کہ لڑ بھڑ کر خشکی کے راستے یروشلم میں داخل ہونے سے پہلے یافہ میں ایک جنگی اڈّا قائم کرنا چاہیے۔ صلاح الدین اپنی فوج لے کر پیچھے پیچھے چلا اور راستے میں جتنا نقصان پہنچا سکتا تھا پہنچاتا رہا۔ اِدھر اس کے سپاہی لڑ لڑ کر شاہِ انگلستان کو یافہ پہنچنے میں دیر کرا رہے تھے، اُدھر اس کے انجینئروں نے آگے نکل کر، یافہ کی دیواریں گرا دیں اور بندرگاہ کی گودی کو تباہ کر دیا تاکہ رچرڈ جب وہاں پہنچے تو اسے خاک اُڑتی نظر آئے۔

یافہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک موضع ارسوف[1] کے مقام پر صلاح الدین نے رچرڈ پر حملہ بھی کر دیا کیونکہ اسے اتنی مہلت درکار تھی جس میں اس کے انجینئر یافہ کی گودی کو پوری طرح توڑ پھوڑ دیں۔ مگر صلیبیوں نے مسلمانوں کی صفیں توڑ دیں اور اُنھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور اس کے بعد دو میل تک ان کا تعاقب بھی کرتے رہے۔ علاقہ ہموار

---

[1] Arsouf

اور میدانی تھا، اس لیے اُنھیں مُسلمانوں کا تعاقب کرنے
میں آسانی ہو گئی۔ یہ جنگ اس وقت ختم ہوئی جب
صلیبی بڑھتے بڑھتے ایک پہاڑ کے دامن میں ایک جنگل
کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں رچرڈ کے سرداروں اور
سواروں نے اپنے گھوڑے روک لیے اور مُسلمانوں کو
گھاٹیاں چڑھتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جس جگہ وُہ اس
وقت تھے، وہاں ہر طرف وہ اسلحہ بکھرے پڑے تھے
جو دشمن پھینک گیا تھا اور ہر طرف بے سوار گھوڑے
بھی سرگرداں پھر رہے تھے۔ صلیبیوں نے یہ دیکھ کر
یہی سمجھا کہ انھیں مکمل فتح حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن
اُدھر جب مسلمان پہاڑ پر کچھ اُوپر چڑھے تو رک گئے
اور پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ اُنھیں یہ دکھائی دیا کہ صلیبیوں
نے اپنی صفیں توڑ دی ہیں۔ (وہ جنگ سے فارغ
ہو کر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے)، چھوٹی چھوٹی
ٹکڑیوں میں بٹ گئے ہیں اور اپنے اپنے پرچموں تلے
بیٹھے گپ شپ کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا
کہ ان صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے چنانچہ
فوراً پہاڑ سے اترے اور اُن پر ٹوٹ پڑے۔

رچرڈ نے جب یہ دیکھا کہ لڑائی کا پانسا پلٹنے لگا۔

تو فوراً میدان میں نکل آیا اور جہاں کہیں اپنے سرداروں کو گھرا ہوُا دیکھا بجلی کی طرح اُن کی مدد کو پہنچ کر اُنھیں نرغے سے نکالا - وہ حملہ آوروں کو منتشر کر دیتا اور اپنے آدمیوں کو پھر کسی گروہ میں شامل کر دیتا - غرض دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود اپنا کام کرتا رہا اور تیسرے پہر تک اپنے سپاہیوں کو پھر یکجا کر لیا - ایک بار پھر عیسائی جم کر لڑے تو فتح کا سہرا پھر اُنھیں کے سر رہا - صلاح الدّین کی فوج کوہستانی علاقے میں غائب ہو گئی اور رچرڈ یافہ کی طرف روانہ ہو گیا - مگر صلاح الدین نے جو مقصد سامنے رکھ کر حملے کیے تھے وُہ حاصل ہو گیا - رچرڈ جب یافہ پہنچا تو بہت مایوس ہوُا - مُسلمان مہندسوں نے اپنا کام بڑی خوبی سے انجام دیا تھا - شہر کی دیوار جگہ جگہ سے اس طرح توڑ دی گئی تھی کہ وہ زمین کے برابر ہو گئی تھی اور شہر کے برج جلا کر خاک کر دیے گئے تھے - رچرڈ نے سمجھ لیا کہ جب تک یافہ کی ازسرِنو قلعہ بندی نہ کی جائے یروشلم کی طرف پیشقدمی ممکن نہیں - وُہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک محفوظ اڈّے کی ضرورت ہے اور یہ

اڈا تعمیر کر لینے کے بعد بھی ایک طویل جنگ لڑنی پڑے گی۔ صلاح الدّین کی فوج سے کئی لڑائیاں لڑ چکنے کے بعد اُسے یہ اندازہ ہُوا تھا کہ یروشلم تک محفوظ طریقے سے پہنچنے کا تنہا طریقہ یہ ہے کہ ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک مینڈک کی طرح پُھدک پُھدک کر پہنچا جائے چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ یروشلم کے راستے پر جتنے بھی قلعے ہیں ان سب پر ایک ایک کرکے قبضہ کر لینا چاہیے۔ مگر یہ کام انجام دینے کے لیے بظاہر تو رچرڈ کے پاس نہ وسائل تھے نہ وقت تھا بلکہ اس کے پاس تو یافہ کی بندرگاہ کو دوبارہ تعمیر کرنے اور فوج کو تنخواہ دینے یا اس کا پیٹ پالنے کے لیے بھی روپیہ نہ تھا۔ اُوپر سے ڈیوک آف برگنڈی نے فرانسیسی فوج کی تنخواہ کا تقاضا شروع کر دیا، اور جب رچرڈ نہ دے سکا تو اس نے یہ دھمکی دی کہ اپنے سپاہیوں کو لے کر فرانس واپس چلا جائے گا۔ خود رچرڈ کی فوج کے سپاہی بھی تنخواہ نہ ملنے سے تنگ آ کر اپنے وطن واپس جانے کے لیے پا بہ رکاب تھے۔ جینوآئی[1] اور پسائی[2] ملاح، جنھیں عکّہ

---

[1] Genoese [2] Pisan

کی حفاظت پر مقرر کیا گیا تھا، آپس ہی میں لڑنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رچرڈ کو یافہ سے وہاں پہنچ کر ان میں صلح کرانی پڑی۔

ان مشکلات سے گھبرا کر رچرڈ نے صلاح الدّین سے صلح کرنے کی کوشش کی۔ وہ صلاح الدّین کے بیٹے[1] العادل سے ملا اور اس سے تعلقات بڑھائے[2]۔ یہ دونوں کلائیوں پر شاہین بٹھا کر ساتھ ساتھ کھیلنے جاتے اور شکارگاہوں نیز شاہی خیمے میں، خوب کُھل کر باتیں کرتے۔ ایک روز رچرڈ نے العادل سے کہا کہ اگر صلاح الدین یروشلم نیز اردن کے مغرب کے سارے علاقے سے دستبردار ہو جائے تو وہ اپنی فوج لے کر انگلستان چلا جائے اور پھر کبھی جنگ نہ کرے[3]۔ لیکن صلاح الدّین نے یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ العادل کو یہ کہلوا بھیجا کہ وُہ صلح کی گفتگو، جہاں تک ہو سکے، جاری رکھے۔ ترکستان سے مسلمانوں کا ایک نیا لشکر آ رہا تھا۔ صلاح الدین

---

[1] العادل سلطان صلاح الدّین ایوّبی کا بھائی تھا۔ (مترجم)

[2] عربی زبان کے ایک مورّخ معتمد بہاء الدین نے لکھا ہے کہ رچرڈ العادل کو اپنا دوست اور بھائی کہا کرتا تھا۔ [3] دیکھیے تتمّے کے صفحہ ۱۹۷ کا عنوان "رچرڈ کی جانب سے صلح کی پیشکش"

اس کے یروشلم پہنچنے تک وقت گزاری کرنی چاہتا تھا
چنانچہ العادل اور رچرڈ کے درمیان دوستانہ تعلق قائم
رہا۔ رچرڈ اس نوجوان مسلمان کو بہت پسند کرنے
لگا اور مسلمانوں کی راست بازی اور مردانگی سے
بھی بہت متاثر ہوا۔ آخر اس نے ایک ایسی تجویز
پیش کی جس پر صلاح الدین بھی عملدرآمد کرنے کو
تیار ہو گیا[1]۔ رچرڈ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ العادل
اس کی بہن جوآنا سے شادی کر لے اور اگر صلاح الدین
نصف یروشلم جوآنا کو رُونمائی میں عطا کر دے تو رچرڈ
بھی یروشلم کی عیسائی مملکت کا وہ نصف حصّہ اسے
دے دے گا جو ساحلِ بحر کی طرف ہے۔ مسلمان اور
عیسائی ایک دوسرے کے مقدس مقامات کا احترام
کریں اور دونوں مذہبوں کے زائر آزادانہ وہاں آ جا
سکیں۔ اگر ایسا ہونے لگے تو پھر حالات بالکل ٹھیک
ہو جائیں گے۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے سمجھوتا ہو
ہی جائے گا لیکن رچرڈ نے اس سلسلے میں جوآنا
سے بات نہیں کی تھی۔ جب اسے اس سمجھوتے کی
اطلاع ملی تو اُس نے "بے دین" کی بیوی بننے سے

---

[1] صلاح الدین نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا تھا (مترجم)

انکار کر دیا - اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ تجویز دھری کی دھری رہ گئی - العادل واپس چلا آیا اور اس کی اور رچرڈ کی دوستی کا دَور ختم ہو گیا[1]-

اکتوبر کا مہینہ گزرا - پھر نومبر بھی آ گیا - سمندر کی سمت سے سرد ہَوائیں آنی شروع ہو گئیں ، اور بارشوں کا بھی تانتا بندھ گیا - صلیبیوں کے خیمے گل گل کر گرنے لگے اور اُن کا اندوختہ ضائع ہونے لگا - اب عیسائی سردار پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں واپس جانے لگے - ڈیوک آف برگنڈی اور اس کے فرانسیسی امیر رچرڈ کے العادل سے ربط ضبط پر بھی بڑبڑانے اور اسے غدّار قرار دینے لگے تھے -

رچرڈ نے یروشلم کی طرف کوچ کا فیصلہ کر لیا - اُسے یروشلم فتح ہو جانے کی تو اُمید نہ تھی مگر سپاہ کو قابو میں رکھنے کے لیے اس طرف کوچ شروع کر دینے کے سوا چارہ نہ تھا - وُہ جنوری میں بیت نوبا[2] پہنچا - یہ مقام یروشلم سے صرف بارہ میل کے فاصلے پر تھا - یہاں ایک جاسوس ارضِ مُقدّس سے یہ بُری خبر لے

---

[1] دیکھیے نتیجے کا صفحہ ۱۹۷ کا عنوان "رچرڈ کی ایک عجیب تجویز"

[2] Beit Nuba

کر آیا کہ صلاح الدین کی مدد کے لیے ترکستان سے جو فوج آ رہی تھی وُہ یروشلم پہنچ گئی ہے۔ رچرڈ نے یروشلم کے نقشے طلب کیے اور بڑی دیر تک ان پر نظریں جمائے غور و خوض کرتا رہا۔ یروشلم ایک ایسا مقام تھا کہ اگر اس کا محاصرہ کیا جاتا تو یہ محاصرہ طول کھینچ سکتا تھا۔ پھر صلیبیوں کے پاس اتنے آدمی بھی نہیں تھے جتنے اس کا محاصرہ کرنے کے لیے درکار تھے۔ اور اگر صلیبی اس کا محاصرہ کر بھی لیتے تو یافہ تک ان کا رسد کا راستہ صلاح الدین کی سپاہ کی تاخت و تاراج کی زد میں ہوتا جو پہاڑوں میں چھپی ہوئی رچرڈ کی نقل و حرکت کو دیکھ رہی تھی اور جس کے دَم خم میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

رچرڈ نے یروشلم کے نقشے اٹھا کر رکھ دیے اور اپنی فوج کو ساحل کی طرف پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ موسم سرما کے باقی دن عسقلان[1] میں گزارے گا۔ یہ مقام یافہ کے جنوب میں تھا۔ اصل میں رچرڈ اُن حالات میں، جو اُسے اُس وقت درپیش تھے، زیادہ سے زیادہ یہی کر

---

[1] Ascalon

سکتا تھا کہ ساحلی علاقے میں عیسائیوں کے قدم جمائے رکھے۔

صلیبی فوج یافہ میں بھی کافی گھٹ گئی تھی، لیکن عسقلان میں تو اور بھی تیزی سے گھٹنے لگی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ رچرڈ کے پلّے روپیہ نہیں تھا۔ مُسلمان وہاں کی جو دیواریں توڑ پھوڑ گئے تھے ان کی دوبارہ تعمیر میں سرمائے کی کمی کی وجہ سے اور تو اور خود بادشاہ کو بھی حصّہ لینا پڑ رہا تھا۔ آسٹریا کے ڈیوک اور اس کے جرمن سرداروں نے اس کام میں حصّہ لینے سے انکار کیا تو رچرڈ نے ڈیوک کو بلا کر پوچھا کہ وُہ دیواروں کی تعمیر میں اوروں کے دوش بدوش کام کیوں نہیں کر رہا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہ معمار ہوں نہ بڑھئی ہوں۔ پھر زیرِ لب تبسّم کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام نیچ لوگوں کے کرنے کے ہیں، اُنھی کو کرنے چاہئیں۔ اور واپس جانے کے لیے مُڑا۔ رچرڈ نے غصّے میں آ کر اس کی پیٹھ پر اتنے زور سے لات ماری کہ وہ اوندھے منہ گرا اور اس کے بعد جُونہی جہاز کا بندوبست ہُوا اس میں بیٹھ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔

اِس واقعے کے چند ہی روز بعد کانرڈ، جسے فلپ آگسٹس نے یروشلم کے تخت کا مستحق قرار دیا تھا، قتل کر دیا گیا۔ وہ ایک رات جنگجو اُسقف بیوُوس[لے] کے ہاں سے کھانا کھا کر اپنے گھر واپس آ رہا تھا کہ دو آدمی، جو راہبوں کے لباس میں تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے، اپنے گھوڑے آگے بڑھا کر اس طرح اس کے برابر آئے جیسے اس سے بات کرنی چاہتے ہیں اور اس کے چاقو مار کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھے یا اُنھوں نے اسے کیوں قتل کیا لیکن چونکہ یہ بات ہر شخص کو یاد تھی کہ کانرڈ وُہ شخص تھا جسے فرانسیسی بادشاہ رچرڈ پر مُسلّط کر گیا تھا، اس لیے یہی خیال کیا گیا کہ قاتل رچرڈ کے آدمی تھے چنانچہ اس بنا پر اور بہت سے نائٹ رچرڈ کا ساتھ چھوڑ گئے۔

اب ایک ایسی خبر سُنی گئی جو اِن سب باتوں سے زیادہ تشویش انگیز تھی۔

ایک چھوٹی سی کشتی، جو مچھلی کے شکار کی ڈونگی

لے

جتنی ہی تھی، انگلستان سے وہاں پہنچی۔ اس میں ایک پادری بیٹھا ہُوا تھا۔ یہ رچرڈ کے وزیرِ اعظم کا خاص پیامبر تھا۔ اس نے بتایا کہ رچرڈ کے چھوٹے بھائی، جان نے خزانے پر قبضہ کر لیا ہے اور فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس جان کو انگلستان کا بادشاہ بننے میں مدد دینے کی تیاری کر رہا ہے۔

اس خبر کے معنی سے قطع نظر اس سے ایک بات بالکل واضح تھی اور وُہ یہ تھی کہ اب صلیبی جنگ جاری رکھنے کے لیے نہ انگلستان سے رقم اور فوجی امداد مل سکتی ہے، نہ فرانس سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

رچرڈ زیرجان سلطان العادل کو بہت پسند کرنے لگا

BEGUM NIGHAT AZEEM NOTIONAL TOL ★ KARACHI ROAD DRIGH ★
853

یافہ کا آخری معرکہ

جب موسم سرما ختم ہُوا تو رچرڈ نے انگلستان جانے سے پہلے آخری داؤ لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا سردی اور بارشوں کے اس طول طویل موسم میں صلاح الدین بھی اپنے سپاہیوں کو مجتمع رکھنے میں اتنی ہی دشواری محسوس کر رہا ہو گا جتنی مجھے ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس صورتِ حال کی وجہ سے یروشلم کا راستہ کُھلا ہُوا ہو۔ رچرڈ کے مخبروں نے جو تازہ ترین اطلاعات پہنچائی تھیں اُن سے اس نے یہ اندازہ قائم کیا تھا کہ اگر وہ یروشلم کے دروازے تک پہنچ جائے تو اس کے اندر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے مخبروں نے بتایا تھا کہ عکّہ کے محاصرے کے حالات سے صلاح الدّین کے اعصاب پر بُہت بُرا اثر پڑا ہے اور گو وہ پہلے کی طرح اب بھی کُھلے میدان

میں جنگ لڑنے کا شائق ہے مگر اس بات کا تو تہیہ ہی کر چکا ہے کہ کبھی فصیل دار شہر میں محبوس ہو کر کبھی نہیں لڑے گا۔ رچرڈ نے سوچا کہ اگر وُہ صلاح الدین کو کسی ڈھب سے میدان میں نکال لائے تو اسے یروشلم سے دستبردار ہونے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ جب انگلستان اور فرانس میں یہ خبر پہنچے گی کہ اب مقدس مزارِ مسیحؑ ایک مرتبہ پھر عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے تو ان دونوں ملکوں سے اس کی حفاظت کے لیے ڈھیروں روپیہ اور بے اندازہ فوج مل جائے گی۔

یہ سوچ کر رچرڈ ایک مرتبہ پھر یافہ سے روانہ ہو کر بیت نوبا پہنچ گیا اور وہاں کئی ہفتے تک سامانِ جنگ کے ڈھیر اس طرح لگاتا رہا اور منجنیقوں کی قطاریں یوں کھڑی کرتا رہا جیسے کسی طویل محاصرے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

صلاح الدین کے طلایہ عیسائیوں کی نقل و حرکت کے بارے میں ایک ایک خبر سلطان کو پہنچاتے رہتے تھے رچرڈ کی ان تیاریوں کا حال سُن کر مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ رچرڈ یروشلم پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے

گا۔ صلاح الدین کے سرداروں نے اس سے قول لیا کہ وہ شہر میں بند ہو کر جنگ نہیں کرے گا ۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ کھلے میدان میں رہے تاکہ جب ترکستانی فوج شہر کا دفاع کر رہی ہو اُس وقت وہ صلیبیوں پر ان کی پشت سے حملہ کر سکے ۔ مگر ترکستان سے آئے ہوئے سپاہیوں نے کہہ دیا کہ اگر سُلطان نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کی تو وہ بھی اندر نہیں ٹھہریں گے ۔ انھیں معلوم تھا کہ عکّہ کے مسلمانوں پر کیا گزر چکی ہے ۔

صلاح الدین ان کی اس ضِد کی وجہ سے شش و پنج میں پڑ گیا ۔ صلیبی اس وقت یروشلم سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر تھے ۔ ترکستانی فوج کے یروشلم کے اندر رہ کر جنگ کرنے سے انکار کے معنی یہ تھے کہ سُلطان کے میدان میں نکل کر لڑنے کی صورت میں شہر کے دفاع کا کوئی انتظام نہیں ہو گا۔ سلطان مسجدِ اقصےٰ میں جا بیٹھا اور سارے دن خدا تعالےٰ کے حضور میں گڑ گڑا کر دُعا کرتا رہا کہ اسے اس نازک موقعے پر مُسلمانوں کی صحیح عسکری قیادت کی توفیق عطا فرمائے ۔ ایک شخص کے بیان کے

مطابق، جس نے اسے وہاں سجدے میں پڑے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ شام ہوتے جب وہ مسجد سے باہر آیا تو اس کے چہرے پر سکون و اطمینان کے آثار تھے۔ اُس نے یروشلم کو خدا کے سپُرد کر کے شہر سے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر ابھی اس نے مسجد کے دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک پیامبر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سلام کرنے کے بعد بتایا کہ وہ طلایہ کا بھیجا ہُوا آیا ہے اور یہ خبر لایا ہے کہ آج صبح سویرے صلیبی اپنی لشکر گاہ سے مکمل جنگی ترتیب میں برآمد ہوئے، انھوں نے اُن پہاڑیوں کی چوٹیوں پر صف بندی کی جن سے یروشلم نظر آتا ہے، چند گھنٹے تک وہاں کھڑے رہے، مگر وُہ یافہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

صلاح الدّین نے وہ رات ساری کی ساری اس انتظار میں کاٹ دی کہ دیکھیں اور کیا خبریں آتی ہیں۔ اگلے دن صبح اُسے یہ خبر ملی کہ رچرڈ کو اپنے مخبروں سے معلوم ہو گیا تھا یروشلم کے اردگرد

میلوں تک کھیتوں اور گاؤں کے میٹھے پانی کے تمام
حوض اور ساری آبی ذخیرہ گاہیں مسلمانوں نے تباہ کر
دی ہیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ جب اُس کی فوج
یروشلم کا محاصرہ کر رہی ہو گی اس وقت اُسے اپنے
سپاہیوں اور اُن کے گھوڑوں کے لیے پانی بیس میل دُور کے
ایک مقام بیت نوبا سے بھی پَرے سے منگوانا پڑے
گا چنانچہ یروشلم پر حملے کا ارادہ ترک کر کے ساحل
ساحل اُلٹے قدموں لوٹ گیا۔

یہ خبر صلاح الدّین کو اپنے اس جاسوس سے
بھی مل چکی تھی جو پچھلی رات عیسائیوں کی لشکرگاہ سے
ان کی آنکھ بچا کر اِدھر آ گیا تھا۔

اس مایوس کن صورتِ حالات کی وجہ سے صلیبی
فوج پراگندہ ہو گئی۔ فرانسیسی سپاہ برگنڈی کے ڈیوک
کی قیادت میں شمال کی طرف شام چلی گئی۔ انگریزوں
کے بیشتر نائٹ یافہ سے اپنے ملک کو روانہ ہو
گئے۔ رچرڈ عکّہ چلا گیا۔

صلاح الدّین نے سوچا اب موقع ہے یروشلم
کے علاقہ کی رہی سہی عیسائی حکومت کو بھی ختم کر
دوں۔ وہ یافہ پر جھپٹا اور تین دن کے اندر اندر

اس پر قابض ہو گیا ۔ چند ایک عیسائی صرف ایک قلعے کو مسلمانوں سے بچائے رہے ، باقی سارا شہر عیسائیوں کے قبضے سے نکل گیا ۔ رچرڈ انگلستان کو روانہ ہونے کے لیے رختِ سفر باندھ ہی رہا تھا کہ اُسے یافہ کے سقوط کی خبر ملی ۔ اس نے جذبے میں آ کر قسم کھائی کہ یافہ مسلمانوں سے چھین کر رہے گا ۔ اور رضا کار جنگی مہم کے لیے طلب کر لیے ۔ مگر صرف لیسٹر کا ارل اور اس کے نائٹ ہی رچرڈ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تاہم وہ اُنھیں کو لے کر یافہ کے قلعے میں محصور عیسائیوں کو بچانے کے لیے روانہ ہو گیا ۔ یہ کُل چار سو مُسلّح سپاہی اور دو ہزار تیرانداز تھے جبکہ صلاح الدین کی سپاہ کی تعداد کم و بیش بیس ہزار تھی ۔ اب ایک تو پہلے ہی تعداد مقابلتہً اتنی کم تھی ، اُوپر سے ان پر یہ مصیبت نازل ہو گئی کہ جب یافہ کی طرف روانہ ہوئے تو بادِ مخالف نے آن گھیرا اور جب یافہ پہنچے تو دیکھا کہ شہر کے تمام گرجا جلائے جا چکے ہیں اور ہر جگہ اسلامی جھنڈے لہرا رہے ہیں البتہ قلعے پر مسلمانوں کا پرچم نہیں لہرا رہا تھا ۔ رچرڈ کے

جہاز بندرگاہ کے دہانے پر رک کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے آدمی اِس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انھوں نے دیر کر دی۔

اتنے میں محصور قلعے کی دیوار سے ایک آدمی پھسل پھسلا کر نیچے اُترا، تیزی سے دوڑتا ہوا سمندر کی طرف بڑھا اور اس میں کود پڑا۔ صلیبیوں کی ایک کشتی نے بندرگاہ کی گودی کے طاس میں پہنچ کر اسے پکڑ کر پانی سے نکال لیا کہ کم از کم ایک عیسائی کی تو جان بچا لیں۔ وہ شخص کوئی پادری تھا۔ صلیبیوں کو اس سے معلوم ہوا کہ مدافعت کرنے والے ابھی تک ڈٹے ہوئے تو ہیں لیکن اُن کا دم ٹوٹنے ہی کو ہے اس لیے چند گھنٹے سے زیادہ نہ ٹھہر سکیں گے۔ رچرڈ نے فوراً حکم دے دیا کہ فوجیں خشکی پر اتار دی جائیں۔

اس وقت شہر میں یہ حالت تھی کہ مسلمان وہاں کی دکانیں اور مکان لوٹنے میں مصروف تھے۔ رچرڈ کی مختصر سی فوج نے انھیں اچانک جا لیا۔ وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگے تو بھاگتے ہیں یہ افواہ پھیلا دی کہ رچرڈ ایک ہزار نائٹ لے

کر پلٹ پڑا ہے۔ پھر اس افواہ پر حاشیے چڑھنے شروع ہوئے۔ ایک ہزار نائٹوں کے دس ہزار نائٹ ہو گئے اور یہ اُڑ گئی کہ رچرڈ شہر کے اندر مسلمانوں کو بلا امتیاز ہلاک کر رہا ہے۔ پھر کیا تھا مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا، جس کے بعد بھگدڑ مچ گئی۔ بہت جلد رچرڈ کا چیتے والا جھنڈا قلعے پر لہرانے لگا۔ افواہیں سچ ہو گئیں۔ رچرڈ واقعی واپس آ گیا۔

مسلمان شہر سے نکل نکل کر صلاح الدّین کی لشکر گاہ میں پہنچنے لگے تو یہاں بھی وہی بدحواسی اور خوف و ہراس پھیلا۔ بہت جلد ساری مسلمان فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور پہاڑوں میں جا چھپی۔ صلاح الدین نے اور اُس کے جرنیلوں اور سرداروں نے اپنے سپاہیوں کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن نہ روک سکے۔ ساری کی ساری مسلمان فوج میدان سے غائب ہو گئی۔

رچرڈ نے اس خداداد موقعے سے پورا فائدہ اٹھایا۔ ساحل پر اس کا ایک بھی گھوڑا نہیں اترا تھا اِس

لیے اس کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا لیکن اس نے تین گھوڑے فراہم کر ہی لیے ۔ اِن میں سے ایک پر خود سوار ہُوا ، باقی دو پر اپنے دو نائٹوں کو بٹھایا اور مسلمانوں کا تعاقب شروع کر دیا ۔

صلاح الدین اور اس کے جرنیلوں کے ساتھ گنتی کے جو چند مسلمان رہ گئے تھے، رچرڈ کو آتا دیکھ کر وہ بھی بھاگ گئے ۔ اس رات رچرڈ اسی خیمے میں سویا جس میں گزشتہ رات صلاح الدین سویا تھا ۔ رچرڈ کی مختصر سی فوج نے مسلمانوں کی پوری فوج کو میدان سے بھگا دیا ۔ صلاح الدین کے بہت سے سردار اِس "فتح" کی وجہ سے رچرڈ پر اتنے رِیجھے کہ التوائے جنگ کے جھنڈے اٹھائے ہوئے رچرڈ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے مُبارک باد پیش کی ۔ رچرڈ نے ان کی شاہانہ پیمانے پر ضیافت کی مگر اس ضیافت میں جو کھانے ان کے آگے رکھے وُہ اسی مطبخ کے تھے جو صلاح الدین اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا ۔ صبح تک خورونوش اور نغمہ و طرب کا ہنگامہ برپا رہا ۔

صلاح الدّین نے تین دن کے اندر اندر اپنی

فوج پھر جمع کر لی اور عیسائیوں سے حساب چکانے کے لیے میدان میں آ گیا۔ اس وقت تک رچرڈ نے گھوڑوں کی تلاش میں آس پاس کا سارا علاقہ کھوند ڈالنے کے بعد اپنے پندرہ نائٹوں کے لیے گھوڑے فراہم کر لیے تھے۔ اسی اثناء میں عکّہ سے ایک اور جہاز میں اس کے دو تین سو پیادے اور پہنچ گئے لیکن اب بھی مسلمانوں اور عیسائیوں میں دس اور ایک کا تناسب تھا۔

رچرڈ نے اپنی فوج یافہ کے باہر ایک ہموار قطعۂ زمین پر خار پشت کی شکل میں کھڑی کی۔ اس کے بیرونی حلقے میں نیزہ بردار تھے جو اپنی سپروں کی آڑ میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے اور اپنے نیزے زمین میں اس طرح گاڑ رکھے تھے کہ ترچھے ہو کر پینتالیس درجے کا زاویہ بنا رہے تھے۔ ہر نیزہ بردار کے پیچھے ایک سپاہی فولادی فلاخن لیے کھڑا تھا اور اِس سپاہی کے پیچھے پتھر دینے والا تھا۔ فلاخن والا آدمی جونہی پتھر پھینک چکتا اس کے پیچھے کا آدمی خالی فلاخن اس سے لے کر پتھر رکھی ہوئی فلاخن اسے تھما دیتا لیکن مُسلمانوں

کے تابڑ توڑ حملوں نے اس خار پُشت کو درہم برہم کر دیا ۔ دوپہر کے وقت رچرڈ نے دس نائٹ ساتھ لے کر پہلا حملہ کیا اور ایک ترکستانی دستے کو منتشر کر دیا مگر جب مڑ کر خار پشت میں آنے لگا مُسلمانوں کی پیادہ فوج کے بہت سے سپاہیوں نے اُسے اور اس کے نائٹوں کو نرغے میں لے لیا ۔لیسسٹر کے ارل کا گھوڑا مارا گیا اور وُہ زمین پر اس طرح گرا کہ مسلمان سپاہیوں کے ہجوم میں پھنس گیا ۔ رچرڈ نے دیکھا تو اپنا تبر ہلاتا ہُوا تنہا اُس کی مدد کو پہنچا اور اس کو بچا لیا ۔ جب وہ اور ارل دونوں نیزہ برداروں کے اس حلقے کا رُخ کر رہے تھے جس میں پہنچ جانے کے بعد مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ ہو سکتے تھے تو راستے میں ایک بے سوار گھوڑا نظر آ گیا اور وہ ارل کے گھوڑے کا بدل بن گیا ۔

جب رچرڈ ارل کو بچا کر لایا اس کے بعد کچھ دیر لڑائی رُکی رہی ۔ اِس وقفے میں ایک مسلمان شہسوار جو غیر مُسلح تھا ، دو خوبصُورت عربی گھوڑے لیے ہوئے صلیبی لشکر میں آیا ، جن پر زین بھی کسی ہوئی تھی ۔ قصّہ یہ تھا کہ صلاح الدّین کے بیٹے[۱] العادل

[۱] مصنف سے سہو ہُوا ہے ۔العادل سلطان صلاح الدّین ایوبی کا بھائی تھا ۔ (مترجم)

کی نظر اس گھوڑے پر پڑ گئی جس پر رچرڈ سوار تھا۔ اور یہ گھوڑا بڑا مریل سا تھا مگر رچرڈ نے اسی پر بیٹھے بیٹھے لیسٹر کے ارل کو سلطان کے سپاہیوں کے نرغے میں سے نکال لیا تھا اس لیے اس نے رچرڈ کی بہادری کی داد دیتے ہوئے دو ایسے گھوڑے اُسے تحفے کے طور پر بھیجے تھے جو اس کے شایانِ شان تھے۔ رچرڈ کے نائٹ کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے اور اُنھوں نے رچرڈ سے التجا کی کہ یہ گھوڑے استعمال نہ کیے جائیں لیکن رچرڈ نے جواب میں یہ کہا کہ آج کے دن تو اگر شیطان بھی کوئی اچھا گھوڑا لے کر آ جائے تو میں اس پر بھی ضرور سواری کروں گا اور ایک گھوڑا اپنے لیے لے لیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُسے یہ بُری خبر ملی کہ یافہ میں جو بحری سپاہی شہر کی دیواروں کی حفاظت پر متعین کیے گئے تھے وہ مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے اور اب اپنے جہازوں پر سوار ہونے کے لیے واپس جا رہے ہیں۔ رچرڈ نے خارپشت کی کمان لیسٹر کے ارل کو سونپی اور خود گھوڑا دوڑاتا

ہُوا وہاں پہنچا تاکہ مُسلمانوں کو یافہ سے باہر نکالے وُہ اپنے ساتھ صرف دو نائٹ اور دو تیرانداز لے گیا ۔ یافہ میں عیسائیوں کے بحری سپاہی مسلمانوں سے ڈر کر اپنے جہازوں کی آڑ میں چھپتے پھر رہے تھے ۔ رچرڈ نے ان کو یکجا کیا اور مسلمانوں کو شہر سے باہر نکال دیا اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے گھوڑے کو پھر ایڑ لگائی کہ دیکھے خارپشت کا کیا حال ہے ۔

وہاں ارل اور اس کے سپاہیوں پر بڑا زبردست دباؤ پڑ رہا تھا ۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رچرڈ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اِن لوگوں کو ستانے کا موقع دینا چاہیے ۔ اس نے بارہ نائٹ ایک صف میں کھڑے کر کے خود ان کی کمان سنبھالی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا مگر مسلمانوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ رچرڈ کو نرغے میں لے لیا ۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس کی ترکی تمام ہونے کو ہے لیکن رچرڈ نے وُہ ضرب لگائی جو تاریخی شہرت حاصل کر گئی ہے ۔ اس سے شکست فتح میں بدل گئی ۔ ہُوا یُوں کہ ایک مسلمان شہسوار اپنی صف سے نکل کر رچرڈ کے قریب اس ارادے سے پہنچا کہ اس کا کام تمام کر دے مگر

رچرڈ ذرا بھی نہ گھبرایا۔ وُہ اپنے گھوڑے پر جم کر بیٹھا رہا اور اپنی چوڑی چکلی تلوار سنبھال لی۔ پھر جب مسلمان سوار آ کر اس سے گتھم گتھا ہُوا تو یہ تلوار بجلی کی طرح چمکی اور حملہ آور پر کچھ اس طرح پڑی کہ اس کا دم خشک ہو گیا۔ اُدھر رچرڈ کی تلوار اس کے جسم کو شانے سے کمر تک کاٹتی چلی گئی۔ اس کا سر شانے سے جُدا ہو گیا اور جس ہاتھ میں تلوار تھی وہ جسم سے الگ ہو کر دُور جا گرا۔ وُہ ایک لحظہ اس حالت میں زین پر ٹکا رہا پھر جب اس کا گھوڑا خوفزدہ ہو کر بھاگا تو زمین پر آ رہا۔ جو مسلمان رچرڈ کو گھیرے ہُوئے تھے وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

رچرڈ اپنے چھوٹے سے لشکر میں واپس آ گیا۔ ہر چند ابھی تک اس کا پلّہ بھاری تھا لیکن وُہ جانتا تھا کہ یہ صورت زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کے اگلا حملہ کرنے کی دیر ہے عیسائیوں کا قصّہ تمام ہو جائے گا، اس کی مختصر سپاہ نیست و نابُود ہو جائے گی اور اس کے بعد یروشلم بھی عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ سوچتے ہُوئے اُس

نے دشمن کی صفوں پر ایک نظر ڈالی تاکہ یہ معلوم کرے کہ اب اس کے ارادے کیا ہیں۔ مگر جو کچھ ہوتا دکھائی دیا اس سے وہ حیران رہ گیا۔ صلاح الدّین گھوڑے پر سوار اپنی فوج کے ساتھ چل رہا تھا اور عیسائیوں پہ ایک بار پھر حملہ کرنے کے لیے اس کی منتیں کر رہا تھا مگر اس کے سپاہی انکار کر رہے تھے۔ رچرڈ تاڑ گیا کہ دشمن بیدم ہو چکا ہے۔ وہ اپنے نیزہ برداروں کے حلقے سے نیزہ بلند کیے ہُوئے باہر نکلا، اور اس طرح جیسے جنگی قواعد کر رہا ہے، گھوڑے پر بیٹھا خراماں خراماں مسلمانوں کی صفوں کے آگے سے اِس سرے سے اُس سرے تک گزر گیا۔ لیکن کوئی اس کے مقابلے پہ نہ آیا۔ صلاح الدّین کی فوج میں اب جنگ کرنے کا دم نہیں تھا اور اُس آزمودہ کار سپہ سالار نے محسوس کر لیا کہ یروشلم کی بچی کھُچی عیسائی سلطنت کو فتح کر لینا ممکن نہیں۔ اس نے رچرڈ سے صلح کر لی جس کی رُو سے یافہ اور عکّہ پر عیسائیوں کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ رچرڈ نے یافہ کے آخری معرکے میں بہت کچھ جیت لیا[1]۔

---

[1] دیکھیے نقشہ صفحہ ۲۰۰ کا عنوان "شاہ رچرڈ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی صلح"

چوتھی صلیبی جنگ

اکثر شامپین[1] کے مارشل جوفرائے وِلی ہارڈوئن[2] کو چوتھی صلیبی جنگ کا بانی مبانی قرار دیا جاتا ہے ۔ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ اور فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس میں جو جنگ ہو رہی تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔ جب ان دونوں بادشاہوں نے اپنی اپنی فوجوں میں تخفیف کی تو بہت سے سپاہی بیکار اور بیروزگار ہو گئے ۔ ان کے بہت سے گروہ پھرتے پھراتے کاؤنٹ شامپین کے علاقے میں جا پہنچے ۔ یہ لوگ بے سرے انسان تھے اور جابجا فساد کرتے پھرتے تھے ۔ جوفرے نے سوچا کہ کیوں نہ انھیں صلیبی سپاہ میں شامل کر لیا جائے ۔

---

[1] Chapagne

[2] Geoffroy De Villehardoun

اُنھیں دِنوں کچھ اور لوگوں کے ذہنوں میں بھی ایک اور صلیبی جنگ کا خیال پیدا ہُوا - یہ وہ فرانسیسی سردار تھے جو رچرڈ اور فلپ کی جنگ میں انگریزوں کی طرف سے کُود پڑے تھے - اب اُنھیں یہ ڈر کھائے جا رہا تھا کہ فلپ انھیں اس غلط اندیشی کی سزا دے گا چنانچہ وہ نمائشی جنگ مقابلے منعقد کرنے کے بہانے ایکری[1] میں جمع ہوئے تاکہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسی تدبیریں سوچیں جن سے سزا سے بچ جائیں اور اس نتیجے پر پہنچے کہ فلپ ان لوگوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا جو صلیب اٹھا چکے ہوں چنانچہ نمائشی مقابلوں کے اختتام پر سب نے صلیب اُٹھا لی -

اُدھر پوپ انّوسینٹ سوم نے "جہاد" کا فتوےٰ دے دیا اور نیوُلی کے فلک[2] کو اس کی تبلیغ پر مقرر کر دیا - لیکن یہ زمانہ صلیبی جنگ چھیڑنے کے لیے موزوں نہیں تھا - رچرڈ اور فلپ کی لڑائی کی وجہ سے انگلستان اور فرانس کے خزانے خالی ہو چکے تھے اور اِن دونوں ملکوں میں اتنے زیادہ دولتمند لوگ بہت تھوڑے رہ گئے تھے جو صلیبی جنگ کے

---

[1] Ecri

[2] Fulk of Neully

اخراجات کے لیے بڑی بڑی رقمیں دے سکتے ہوں انگلستان کے تخت پر رچرڈ کے بعد بادشاہ جان کا قبضہ ہو چکا تھا اور اس نے فرانس سے پھر جنگ شروع کر دی تھی۔ ان حالات میں انگلستان اور فرانس دونوں میں سے کوئی ملک بھی صلیبی جنگ کے لیے سپاہی، جہاز اور روپیہ نہیں دے سکتا تھا اس لیے یہ تحریک عملی جامہ نہ پہن سکی۔ دو سال گزرنے کے بعد اس تحریک کے رہنماؤں نے ریاست وینس میں اپنے سفیر بھیجنے کا فیصلہ یہ معلوم کرنے کی غرض سے کیا کہ آیا یہ ریاست صلیبی جنگ کی پشت پناہی کر سکتی ہے۔ شامپین کے نواب نے اپنے مارشل جو فرائے کو اس سفارت کا رئیس اور ترجمان مُقرر کیا۔

جوفرے وینس پہنچا اور اس نے کافی قیل و قال کے بعد ڈوج[1] اور اس کی مجلسِ مشاورات سے یہ طے کیا کہ ریاست وینس پچاسی ہزار مارک میں ساڑھے چار ہزار گھوڑوں اور تیس ہزار آدمیوں کے لیے جہازوں کے علاوہ اتنی خوراک اور چارہ بھی

---

[1] Doge

فراہم کر دے گی جو اِن کے لیے نو مہینے کو کافی ہو گا ۔ اور اگر مالِ غنیمت یا مفتوحہ علاقے میں سے آدھا حصّہ وینس کو دیا جائے تو وُہ صلیبی بیڑے کی حفاظت کے لیے پچاس جنگی جہاز نیز ایسی بحری سپاہ کا انتظام بھی کر دے گی جو صلیبیوں کی فوج خدمت انجام دے گی ۔ جوفرے نے وینس والوں کی یہ سب شرطیں منظور کر لیں اور پوپ اِنّوسینٹ نے اُنھیں پانچ ہزار نقرئی مارک کی رقم بھی اس غرض سے بھیج دی کہ وینس میں بحری جہازوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا جائے ۔ پھر اگلے سال یعنی ۱۲۰۲ء میں یوم سینٹ جان پر لنگر اٹھانے کا فیصلہ بھی کر لیا گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ابتدا بہت اچھی ہوئی ہے لیکن جب جوفرے اپنے آقا کو حالات سے باخبر کرنے کے لیے شامپین پہنچا تو نواب بستر مرگ پر تھا اور چند دن بعد مر ہی گیا ۔

اب چونکہ وہی اس نئی صلیبی جنگ کا اصل مُحرک تھا اس لیے اس کی موت سے حالات دِگرگوں ہو گئے اس نے صلیبی جنگ کے لیے خطیر رقم جمع کر لی تھی لیکن اس کے وصیت نامے کی تعمیل میں اس رقم کا

بیشتر حصّہ اس کے پیروؤں میں تقسیم کر دیا گیا ۔ اسی طرح شامپین کے بہت سے امیر اور سردار، جو اس کے ساتھ سمندر پار جانے کو تیار تھے، اب انھوں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا ۔ پھر نیا قائد تلاش کرنا بھی مشکل ہو گیا ۔ برگنڈی کے ڈیوک سے کہا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا ۔ بارلے ڈکؔ[1] کے کاونٹ نے بھی یہی کیا ۔ بادشاہ جان اور فلپ آگسٹس کے درمیان جنگ ابھی بند نہیں ہُوئی تھی ۔ ایسے پُرآشوب دَور میں بڑے آدمیوں میں سے بہت کم آدمی فرانس سے باہر جانے پر رضامند ہو سکتے تھے ۔ آخر کارمونٹ فیراٹ کے بونی فیس[2] نے ایک نئی صلیبی جنگ کی تحریک کی قیادت قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور فرانسیسی صلیبی ایسٹر کے موقعے پر ارض مُقدّس جانے کے لیے وینس روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے ۔

مگر جب یہ فرانسیسی وینس پہنچے تو اب مصیبتوں کا صحیح معنوں میں آغاز ہُوا ۔ سب سے پہلی مصیبت تو یہ پیش آئی کہ جہاں تک وِینس والوں کا تعلّق

---

[1] Bar-Le-Duc

[2] Boniface of Montferate

تھا انھوں نے تو بحری جہاز اور رسد فراہم کر دی لیکن فرانسیسی اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔ جو رقم انھوں نے اکٹھی کی وہ واجب الادا رقم سے آدھی تھی۔ دوسری الجھن یہ پڑی کہ انھوں نے وہاں پہنچ کر یہ دیکھا کہ وینس والے خود بھی صلیبی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ فرانسیسی چاہتے تھے کہ مسلمانوں سے مصر چھینا جائے۔ یہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ دولتمند ملک بھی تھا اور اُن کی قوت کا مرکز بھی تھا۔ صلیبیوں نے سوچا کہ اگر یہ ہمارے ہاتھ آ جائے تو پھر بیت المقدس کو دوبارہ فتح کر لینا آسان ہو جائے گا۔ لیکن وینس والے مصر سے ایسے معاہدے کیے بیٹھے تھے جو ان کے لیے بہت منفعت بخش تھے اور وہ اس منفعت سے دستبردار ہونے کو کسی طرح تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے صلاح الدّین کے بھائی صفاء الدّین سے یہ خفیہ معاہدہ بھی کر رکھا تھا کہ وینس والے صلیبیوں کو مصر کا رُخ نہیں کرنے دیں گے۔

وینس والوں نے اِس معاملے میں فرانسیسیوں سے تکرار نہیں کی مگر اس کے بغیر ہی ایسی ہوشیاری سے کام لیا کہ فرانسیسی اُن سے مات کھا گئے۔ جب

فرانسیسی وینس پہنچے تو اُنھوں نے اِن کو جزیرۂ سینٹ نکولس میں ایک عمدہ چھاؤنی تو مہیا کر دی مگر فرانسیسیوں کو وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد پتا چلا کہ بحری جہاز میں ہی بیٹھ کر مصر پہنچا جا سکتا ہے عربوں اور صرف عربوں سے مل سکتے ہیں، اور کسی کے پاس جہاز ہیں ہی نہیں - اس کا مطلب یہ تھا کہ فرانسیسی عربوں کی اعانت کے بغیر اس جزیرے سے جا ہی نہ سکتے تھے۔ اِس صورتِ حال سے عاجز آ کر فرانسیسیوں نے صلیبی جنگ کا منصوبہ ترک کرنے اور اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو وینس کے نابینا حکمران نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کر دی کہ ہنگری کا بادشاہ ریاست وینس سے لڑ رہا ہے اور اُس نے ابھی کچھ دن پہلے وینس سے زارا[1] کی بندرگاہ چھین لی ہے اگر فرانسیسی ہنگری سے زارا چھین کر وینس کے حوالے کر دیں۔ تو حساب کتاب برابر ہو جائے گا اور وینس والے ان سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ فرانسیسیوں کو وینس کے حکمران کی تجویز پر عمل کرنا پڑا۔

وہ نومبر کے مہینے میں بحرۂ ایڈریاٹک کے راستے

---

[1] Zara

زارا کی طرف روانہ ہوئے مگر اُن کے بہت سے سردار روانگی سے پہلے ہی روپوش ہو گئے اور بہت سے بیماری کا بہانہ بنا کر بسترِ علالت پر دراز ہو گئے۔ وہ بحیثیت صلیبی اہلِ ہنگری پر جو عیسائی تھے، حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال جب فرانسیسی زارا پہنچے تو خانقاہِ واڈکس کے بڑے پادری نے اُن سے مل کر انھیں بتایا کہ پوپ انو سینٹ کا حکم ہے۔ زارا پر حملہ نہ کیا جائے۔ لیکن فرانسیسی وینس کے حکمران کو قول دے چکے تھے اس لئے زارا پر حملہ کیے بغیر نہ رہے۔ اُدھر جب پوپ کو یہ خبر ملی کہ فرانسیسیوں نے پانچ دن کی جنگ کے بعد زارا پر قبضہ کر لیا ہے تو اس نے اُنھیں کلیسا سے خارج کر دیا۔ چوتھی صلیبی جنگ کا یہ آغاز بڑا عجیب تھا! اس سے مزید صلیبی بددل ہو گئے اور اُن میں سے بہت سے وینس والوں کی چالبازی پر برہم ہو کر ہنگری کی فوج میں جا شامل ہوئے۔

بہرحال زارا کا معرکہ سر کر لینے کے بعد تو صلیبیوں سے مُسلمانوں سے لڑنے کے لیے مصر یا ارضِ مُقدّس

لہ Vaux

کی طرف کوچ شروع کر دینے کی توقع کی جا سکتی تھی لیکن اب یہ مشکل پیش آئی کہ جو سردار صلیبیوں کے زارا روانہ ہوتے وقت ان سے الگ ہوئے تھے وہ ان کا سرمایہ بھی لے بھاگے تھے چنانچہ صلیبی اب پہلے سے بھی زیادہ مفلس اور قلاش تھے۔ وینس کے حکمران نے انھیں ایک بار پھر مشکلات سے نجات دلانے کے لیے ایک تدبیر نکالی۔ ایک شخص الیکسیس اینجیلس[1] قسطنطنیہ کی باز نطینی سلطنت کے تخت و تاج کا مدعی تھا۔ باغیوں نے اُس کے باپ شہنشاہِ قسطنطنیہ کو جلاوطن کر کے اسے تخت و تاج سے محروم کر دیا تھا۔ وینس کے حکمران نے صلیبیوں سے کہا کہ اگر وہ الیکسیس کو اس کا تاج و تخت واپس دلا دیں تو وہ دو لاکھ فرانک اور ایک سال کی رسد کے علاوہ مصر پر حملے میں شرکت کے لیے دس ہزار سپاہی بھی دے گا۔ صلیبیوں نے یہ تجویز یہ سمجھ کر منظور کر لی کہ اگر انھوں نے قسطنطنیہ کا معرکہ سَر کر لیا تو وہاں سے مصر یقینی طور پر پہنچ جائیں گے۔ ۱۲۰۲ء میں جون کے مہینے کے آخر میں یہ لوگ

[1] Alexius Angelus

قسطنطنیہ پہنچ گئے - جب اِن کے جہاز شہر کے قریب پہنچے تو اُن میں سے ہر جہاز پر اس نواب کا جنگی پھریرا اُڑنے لگا جو اس پر سوار تھا اور صلیبی نائٹ اپنی اپنی چمکدار اور روغن چڑھی ہوئی ڈھالوں کی نمائش کرنے لگے تاکہ لوگ جان جائیں کہ وہ کتنے طاقتور اور آن بان کے لوگ ہیں لیکن اگر اُدھر اہل قسطنطنیہ اس بیڑے کو دیکھ کر عش عش کر اُٹھے تو ادھر صلیبی بھی ان کے شہر کو دیکھ کر غرقِ حیرت ہو گئے شہر کی فصیل پر اُنھیں دیکھنے کے لیے انسانوں کا جتنا جمِّ غفیر صلیبیوں نے انسانوں کا اتنا ہجوم پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا - اس کے علاوہ ایسی نفیس دیواریں اور اتنے سارے بُرج بھی انھوں نے پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے - اُنھیں شہر میں جتنے شاندار محل، گرجا اور عظیم الشان عمارتیں نظر آ رہی تھیں، اتنی تو، ان کے خیال میں، باقی ساری دُنیا کی عمارتیں بھی نہ ہوں گی - ایسے شاندار شہر میں جتنی دولت ہو سکتی تھی اس کا خیال کر کے ان کے دِل زور زور سے دھڑکنے لگے - وُہ اپنے جہازوں کو قسطنطنیہ کے ساحلی علاقے کے لگواں لگواں چلاتے ہوئے باسفورس

کے پرلے کنارے پر پہنچے اور کیلسڈون[1] میں شہنشاہوں کے قدیم گرمائی محلّوں میں خیمہ زن ہُوئے - یہ جگہ ان کے لیے ایک اور اعجوبہ ثابت ہوئی - کیونکہ اس کے ایوان اور صحن اتنے وسیع تھے کہ اِن میں اُن کی ساری فوج آ گئی - انھوں نے اتنے باثروت بادشاہوں کا کبھی ذکر تک نہ سُنا تھا جو اتنی وسیع عمارتیں بنا سکتے ہوں - اس محل کے باغ بھی اتنے خوبصُورت تھے کہ انھوں نے کبھی خواب میں بھی اتنے حسین باغات نہ دیکھے تھے - غرض وُہ یہ سوچ سوچ کر خوشی سے پھُولے نہ سماتے تھے کہ قسمت اُنھیں دُنیا کے حسین ترین شہر میں لے آئی ہے -

اُنھوں نے اِن خوشنما باغوں میں نو دِن تک آرام کیا - اس کے بعد شہر پر حملہ شروع کیا - جولائی میں پورے مہینے لڑائی ہوتی رہی - قسطنطنیہ کے شہری اور اُن کے اجیر مُسلّح سپاہی جی توڑ کر لڑے ان میں سے بیشتر انگلستان اور ڈنمارک کے تھے جن کے پاس دو دھارے تبر تھے - لیکن آخر میں

---

[1] Chalcedon

فرانسیسیوں کی دو دستی تلواریں اور وینسی بحری سپاہیوں کے فلاخن زیادہ کارگر ہتھیار ثابت ہوئے۔ صلیبیوں نے قسطنطنیہ فتح کر لیا، گویا وہ وعدہ پورا کر دیا جو اُنھوں نے الیکسیس اینجیلس سے کیا تھا۔ اگست کے شروع میں اس کے سر پر تاج رکھ دیا گیا۔

اب اس کی وعدے پورے کرنے کی باری آئی لیکن اس کی قسمت ہی بُری تھی۔ جس غاصب کو شہر سے نکال باہر کیا گیا وہ بھاگتے وقت سارا خزانہ بھی ساتھ لے گیا۔

یہ گھاؤ ابھی تازہ ہی تھا کہ تخت نشینی کے جشن کے چند دِن بعد قسطنطنیہ میں آگ لگ گئی اور کامل دو دِن دو رات بھڑکتی رہی۔ محاصرے سے جو ابتری اور بدنظمی پھیلی تھی اُس کے بعد اِس دوسرے سانحے سے سب کام ٹھپ ہو گئے اور کاریگر لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ اِن تباہ حال بدنصیبوں سے محصول کیا وصول کیے جاتے، چنانچہ جب بونی فیس مونٹ فیراٹ اور فرانسیسی امیروں نے الیکسیس سے دو لاکھ فرانک کی اُس رقم کا سختی سے تقاضا کیا جو اس نے دینے کا وعدہ کر رکھا تھا تو الیکسیس بڑی مشکل

سے قدرے قلیل رقم فراہم کر سکا - اس کے بعد کئی مہینے گذر گئے مگر وہ رقم ادا نہ کر سکا اور جب مزید تقاضا کیا گیا تو اُسے اقرار کرنا پڑا کہ اس کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے -

جنوری ۱۲۰۴ء میں صلیبیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وُہ الیکسیس کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے ہیں - لیکن اُنھیں اس کا صلہ کچھ بھی نہیں ملا چنانچہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے رخصت ہو گئے -

مگر ان کے رخصت ہو جانے کے بعد الیکسیس کی بادشاہی بھی زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی - قسطنطنیہ کے شہری اُس سے اِس لیے نفرت کرنے لگے تھے کہ ان پر محاصرے کے دوران میں اور اس کے بعد مصائب اس کی وجہ سے ٹوٹی تھیں چنانچہ صلیبیوں کے جاتے ہی عوام نے اس کے محل پر ہلّہ بول دیا اور اسے قید کر کے چند روز تک ایک تہ خانے میں بند رکھا پھر عوام کے سرغنے نے اس کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا -

گویا اب بازنطینی تخت پر ایک قاتل قابض تھا - یہ صُورتِ حال قانون اور انصاف دونوں کے

منافی تھی اس لیے صلیبی پھر پلٹے اور اُسے اپریل کے مہینے میں تخت سے اتار پھینکا - البتہ شہر والوں نے ان کی مخالفت کی اور اتنے کٹ کٹ کر لڑے کہ صلیبیوں کو غالب آ جانے کے بعد یہ محسوس ہُوا اب یہ شہر اُنھیں کا ہے کیونکہ اُنھوں نے لڑ بھڑ کر فتح کیا ہے - ایلکسیئس پر ان کا جو کچھ واجب تھا وُہ اُنھوں نے اب قسطنطنیہ کے شہریوں سے وصُول کر لیا - اس لُوٹ میں جتنا مال ان کے ہاتھ آیا اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اِتنا مالِ غنیمت دنیا کے آغاز سے اب تک کسی ایک شہر سے کسی فاتح کے ہاتھ نہ لگا ہو گا - صلیبیوں نے تین بڑے بڑے گرجا چاندی سونے، ہیرے جواہرات، ریشمی کپڑوں سنجاب اور دیگر بہت سی بےبہا چیزوں سے بھر لیے جب ان کی مجموعی مالیّت آنکی جا چکی تو صلیبیوں نے پہلے ریاست وینس کے واجبات ادا کیے پھر باقی مال آپس میں تقسیم کر لیا - ہر صلیبی کے حصّے میں بے اندازہ دولت آئی اور جب وُہ قسطنطنیہ کا مال و زر آپس میں تقسیم کر چکے تو اس کے شہنشاہوں کی جاگیریں اور القاب بھی تقسیم کر لیے - فلینڈرز کے بالڈون کو

قسطنطنیہ کا شہنشاہ بنا دیا گیا۔ مونٹ فیراٹ کے بونی فیس کو سالونیکا کا بادشاہ بنایا گیا اور سرداروں نے ریاستیں اور علاقے لے لیے۔ کوئی نواب بن بیٹھا۔ کوئی جاگیردار بن گیا۔

اب تو صلیبی مسلمانوں سے یروشلم چھیننے کے لیے ارضِ مُقدّس جا سکتے تھے، لیکن نہ جا سکے۔ کیونکہ قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بلغاریا اور ولاچیا کے بادشاہ جوہانزا^{لے} نے، جس کا علاقہ دریائے ڈینیوب کے دہانے کے دونوں طرف قسطنطنیہ کے شمال تک پھیلا ہُوا تھا، صلیبیوں پر حملہ کر دیا اور اہلِ قسطنطنیہ نے، جو صلیبیوں سے اس بنا پر نفرت کرتے تھے کہ وُہ ان کے آقا بن بیٹھے تھے، جوہانزا کا ساتھ دیا حالانکہ اس کے سپاہیوں میں سے بہت سے جنوبی روس کے بے دین اور مشرک لوگ تھے۔ یوں ایک طویل جنگ شروع ہو گئی جس کے دوران میں شہروں اور بستیوں پر کبھی ایک فریق کا قبضہ ہو جاتا کبھی دوسرے کا۔ قسمت کبھی ایک فریق کا ساتھ دیتی، کبھی

لے Johanizza

دوسرے کو نواز دیتی -

پھر ایک سال بعد قسمت صلیبیوں کا ساتھ چھوڑنے لگی - اِن کے مفتوحہ علاقوں میں سے بیشتر جوہانزا کے قبضے میں چلے گئے اور ۱۲۰۵ء میں ایسٹر کے موقعے پر فلینڈرز کا بالڈون اَیڈریا نوپل کے باہر ایک لڑائی میں قیدی بنا لیا گیا - اس لڑائی میں اس کے بہت سے سپاہی بھی مارے گئے - اس پر سات ہزار صلیبی بَددِل ہو کر یہ کہتے ہُوئے فرانس واپس چلے گئے کہ ہم اہلِ قسطنطنیہ کو بھی تباہ و برباد کر رہے ہیں اور خود بھی کچھ فائدہ نہیں اُٹھا رہے ہیں -

بونی فیس کو دشمن نے گھات سے وار کر کے ہلاک کر ڈالا - بلغاروی سواروں کے ایک دستے نے اُسے ایسی حالت میں اچانک آن لیا جب وُہ غیر مسلّح تھا - ابھی لڑائی کا آغاز ہی ہُوا تھا ، کہ ایک بلغاروی تیرانداز نے ایک تیر اُس کے شانے کے عین نیچے بازو کے بالائی حصّے پر ایسا تاک کر مارا کہ اس کی شریان کٹ گئی اور چند منٹ کے اندر اندر بُہت زیادہ خون نکل جانے کے باعث

بونی فیس بیہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا ۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے اِس طرح گرتے دیکھا تو سراسیمہ ہو کر فرار ہو گئے ۔

غرض چوتھی صلیبی جنگ چھ سال جاری تو رہی مگر بلقان کی پہاڑیوں ہی میں ہوتی رہی اور وہیں ختم ہو گئی ۔ وینس والے اس جنگ کے اِس انجام پر بہت خوش ہوئے ۔ قسطنطنیہ کے تاجر، جو اِن کے بہت بڑے حریف تھے، اس سے تباہ و برباد ہو گئے ، مگر وینس والوں کے مصری حلیفوں پر کوئی آنچ نہ آئی ۔

سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اِن چھ برسوں میں صلیبی نہ کسی مسلمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکے نہ عربوں کے کسی ملک کی زمین پر قدم رکھنے کی جُرأت کر سکے ۔ انھوں نے جتنی بھی ضربیں لگائیں اور کھائیں ان سے اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہُوا کہ ان کی جنگجوئی کا شہرہ ہوگیا۔

سینٹ لوئی کی صلیبی جنگ

آخری صلیبی جنگ کا سرغنہ فرانس کا شہنشاہ سینٹ لوئی[1] تھا، جو شہنشاہ لوئی نہم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ وہ یروشلم کی بادشاہت قائم ہونے کے قریب قریب ڈیڑھ سو برس بعد ایک زبردست فوج لے کر مصر پہنچا۔

سینٹ لوئی اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ایک عظیم بادشاہ تھا۔ اس نے فرانس کی عظمت کو چار چاند لگانے کے لیے بہت سے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے ہیں عجیب بات ہے کہ اسے بادشاہت سے نفرت تھی اور یہی سوچتا رہتا تھا کہ تخت و تاج چھوڑ کر کسی خانقاہ میں چلا جائے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ذمہ داریاں اس کا پیچھا نہ چھوڑیں

---

[1] Saint Louis

گی اس لیے اپنی ذہنی کشمش کو یُوں ختم کیا کہ اِمکان بھر راہبانہ زندگی بسر کرنے لگا - ارزاں ترین کپڑے کا لباس پہنتا ، بہت سادہ غذا کھاتا ، اور اکثر فاقے ہی سے رہتا - وہ گھنٹوں اپنے خلوت کدے کے ٹھنڈے یخ سنگی فرش پر سجدے میں پڑا رہتا اور سلطنت کے امور سرانجام دیتے وقت بھی شاہانہ لباس کے نیچے بالوں سے بنے ہُوئے کھردرے کپڑے کی قمیض پہنے رہتا -

جب اس کی عمر زیادہ ہوئی تو بیمار رہنے لگا کئی کئی دِن نہ نیند آتی نہ بھوک لگتی ، پٹھوں میں سردی کی وجہ سے درد ہوتا رہتا ، اور جب درد تھمتا تو سکتے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ، گھنٹوں تک نہ بات کر سکنے کے قابل رہتا نہ ہل جُل سکنے کی سکت ہوتی - ۱۲۴۴ء میں بیماری کا جو حملہ ہُوا وہ غیر معمولی طور پر شدید تھا - اس حالت میں جب سکتہ طاری تھا اس نے اپنے تیمارداروں کو اس قسم کی باتیں کرتے سُنا جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وُہ اس کی صحت کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں - سکتہ ٹوٹنے کے بعد جُونہی وُہ

بولنے کے قابل ہُوا اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا کہ اگر میں اس بیماری سے اچھا ہو گیا تو صلیبی مہم چھیڑوں گا -

جب اسے پوری طرح صحت ہو گئی تو یہ مسئلہ اُٹھا کہ اب اُسے صلیبی جنگ چھیڑنی چاہیے - اس کی بیوی ، وہ پادری ، جس کے سامنے وہ گناہوں کا اعتراف کِیا کرتا تھا ، اس کے درباری امیروں ، اسقفوں ، وزیرِ اعظم اور دیگر وزرائے حکومت، سب نے اس سے یہی التجا کی کہ اپنا عہد توڑ دے لیکن اس نے کسی کی نہ مانی کیونکہ وہ ارضِ مُقدّس روانہ ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا -

لیکن اب زمانہ بدل چکا تھا چنانچہ گو بادشاہ نے بھی پوری کوشش کی اور فرانسیسی[له] پادریوں کی ایک جماعت نے بھی قریہ قریہ اور شہر شہر پھر کر صلیبی جنگ کی تبلیغ کی لیکن حکومت اور کلیسا کے ایڑی چوٹی کا زور لگا لینے کے باوجود لوگوں میں جوش پیدا نہ ہُوا - تین سال کے بعد کہیں جا کر فوج فراہم ہوئی اور یہ فوج چار سال بعد روانگی کے لیے تیار ہوئی -

---

له Franciscan

لوئی نے جو تیاریاں کی تھیں ان میں ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھا تھا۔ اس نے جنوبی فرانس میں ایگوئز مورٹیز[1] کے مقام پر صلیبی فوجوں کو جہازوں پر سوار کرنے کے لیے ایک خاص بندرگاہ تعمیر کی تھی اور قبرص میں ایک چھاؤنی میں دو سال کا سامان خوراک جمع کر دیا تھا۔ لیکن قبرص اور مصر کے درمیان جو طوفان آئے ان سے اس کا بحری بیڑہ تتر بتر ہو گیا اور وُہ دریائے نیل کے ڈیلٹے میں ڈامیٹا[2] کے مقام پر اس حالت میں لنگر انداز ہُوا کہ نہ فوج پوری تھی نہ رسد۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک وہ چھ کیمپ میں پڑا رہا اور ساحل ہی پر رُکا رہا پھر لڑ بھڑ کر راستہ نکالتے ہُوئے قاہرہ پہنچنے کی کوشش کی۔ اس وقت سلطانِ مصر نزع کے عالم میں تھا۔ اس سے لُوئی کو یہ امید بندھی کہ مُسلمان اس کے جانشین کے معاملے میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور وہ قاہرہ پر قبضہ کر لے گا۔

لیکن گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں یورپی نائٹ جدید اسلحہ نیز نئے جنگی طریقوں سے نابلد رہے

---

[1] Aigues Mortes

[2] Damietta

تھے جبکہ مسلمانوں نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا یہ نائٹ ابھی تک اسی پر تکیہ کیے ہُوئے تھے کہ اُن کے سامنے کے حملے سے دشمن کی صف ٹوٹ سکتی ہے ان کے خود تو بیشک پہلے سے بہتر ہو گئے تھے۔ اور ان میں سے جو نائٹ زیادہ ترقی یافتہ تھے وہ اپنے شانوں اور زانوؤں کی حفاظت کے لیے آہنی پترے بھی استعمال کرنے لگے تھے لیکن اُنھوں نے اپنی جنگی صلاحیتوں کو ترقی دینے کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ اِدھر مسلمان اس عرصے میں مسلسل ترقی کرتے رہے تھے۔ اُنھوں نے منظم دستوں کی شکل میں ایک عسکری قائد کی کمان میں جنگ کرنے کا گُر معلوم کر لیا تھا اور اُن کے جرنیلوں نے وُہ طریقے سیکھ لیے تھے جن سے میدانِ جنگ میں لڑائی کے زور پکڑنے یا دھیمی پڑنے کے مطابق ماتحتوں تک احکام پہنچائے جا سکتے تھے تاکہ وُہ اپنے منصوبوں میں حسبِ ضرورت تبدیلی کر سکیں۔

سینٹ لُوئی نیز اس کی سپاہ نے بُہت جلد محسُوس کر لیا کہ وُہ اپنے اڈے ڈامیٹا سے کٹ چکے ہیں اور منصُورہ میں محصُور ہو کر رَہ گئے

ہیں اور جب یہ محسوس کرنے کے بعد اُنھوں نے مُسلمانوں کا حلقہ توڑنے کی کوشش کی تو اُنھیں مارپیٹ کر پیچھے دھکیل دیا گیا۔نیل اُن کی لشکرگاہ کے قریب سے بڑی سُست رفتار سے گزر کر اپنے ڈیلٹے میں داخل ہو رہا تھا جس کی دلدل بیماریوں کا گھر تھی۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھتے تو ہزاروں مکھیاں آ آ کر کھانے کی چیزوں پر بیٹھنے لگتیں۔اس سے وَبا پھوٹ پڑی۔ فرانسیسی بادشاہ اتنا نحیف ہو گیا کہ اُسے گھوڑے پر سہارا دے کر چڑھانا پڑتا۔ اس کے لیے طلائی گوکھرو ٹنکے ہُوئے نقرئی خود کے بوجھ سے سر اُوپر اُٹھائے رکھنا مشکل ہو گیا۔ گھوڑے پر بیٹھتا تو چکرا کر گرنے لگتا۔ مگر اسی حالت میں اس نے ایک بار پھر یہ کوشش کی کہ مُسلمانوں کا گھیرا توڑ کر اپنی فوج کو ڈامیٹا لے پہنچے تاہم یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ وُہ لڑائی کے دوران میں بیہوش ہو گیا اور اُسے لے جا کر ایک مکان میں لٹا دیا گیا۔ اُس کے نائٹ بڑی بہادری سے لڑے لیکن مسلمانوں نے ان سے بھی زیادہ بہادری دکھائی۔ ان کا طریقِ جنگ یہ تھا کہ

جونہی میدان میں لڑنے والے دستوں پر تکان غالب آتی بگل بجنے لگتے اور ڈھول پٹنے لگتے - تھکے ہوئے دستے واپس چلے آتے، تازہ دم دستے تازہ دم گھوڑوں پر سوار آ موجود ہوتے اور جنگ شروع کر دیتے - یورپی نائٹوں کے پاس ایسا انتظام نہیں تھا اس لیے وہ لڑتے لڑتے نڈھال ہو گئے اور اُن کی ہمت جواب دے گئی - بیماری نے الگ خستہ حال کر رکھا تھا - انھوں نے چند گھنٹے بعد ہار مان لی اور ہتھیار ڈال دیے -

فرانس کا بادشاہ اس رات زنداں میں زنجیروں میں جکڑا ہوا بھوسے کے بستر پر پڑا رہا - جس جگہ اسے رکھا گیا تھا یہ لوکمار کا مکان[1] کہلاتا تھا اس کی ساری سپاہ احاطوں میں بھر دی گئی - پھر مسلمانوں نے رفتہ رفتہ اُن تمام صلیبیوں کو تہ تیغ کر دیا جو مُسلح تھے - اُن میں سے جس جس نے اسلام قبول کر لیا وُہ بچ گیا اور جنھوں نے غلام بن کر فروخت ہونا قبول کیا اُنھیں مصر کے بردہ فروشی کے بازار میں بھیج دیا گیا - سینٹ لوئی اور

---

[1] House of Lockmar

اس کے نائٹوں کو اپنی آزادی خریدنے کا اختیار دیا گیا لیکن فدیہ کی رقم اتنی زیادہ رکھی گئی کہ بہت سے نائٹ مطلوبہ رقم فراہم کرنے میں تباہ حال ہو گئے اور یہ لوگ اپنے وطن اس حالت میں پہنچے کہ تن پر چیتھڑے لگائے ہوئے تھے ۔ ان کے تمام زرہ ، گھوڑے اور خیمے ، جن پر زردوزی کا نفیس کام تھا ، چھن گئے تھے ۔ ان کے سب سوار اور مُسلّح پیادے یا تو مر گئے یا غلام بنا لیے گئے اور ان کے بہت سے دوست پردیس ہی میں رہ گئے ۔ اُنھیں میدانِ جنگ میں موت نے آ دبوچا تھا یا پھر طاعون نے لقمہ بنا لیا تھا ۔ غرض اِس جنگ میں صلیبیوں کو مکمل شکست ہوئی ۔

شہنشاہ سینٹ لُوئی اس حالت میں فرانس واپس نہ جا سکتا تھا ۔ اس ساحلِ فلسطین پر آگے بڑھ کر یروشلم کی عیسائی سلطنت کے علاقے میں پہنچ گیا اور کئی سال تک وہیں رہا مگر اس دوران میں بھی کام کرتا رہا ۔ اس نے کئی قلعوں کو مستحکم کیا اور سرحدوں پر بہت سے نئے مستقر بنائے ۔

لیکن یہ سب کام کچھ سُودمند ثابت نہ ہُوئے۔ مسلمانوں کی عسکری قیادت اب ایک ایسے شخص سلطان بیبرس[ل] کے ہاتھ میں تھی جو صلاح الدین سے بھی عظیم تر قائد تھا۔ یہ بھاری ڈیل کا آدمی تھا، سر کے بال سُرخ رنگ کے تھے، اور گو آنکھ ایک ہی تھی کیونکہ دوسری آنکھ ایک لڑائی میں جاتی رہی تھی، مگر اس نیلی آنکھ میں جو چمک تھی۔ وُہ ستاروں کو شرماتی تھی۔ وہ اندرونِ ایشیا کا تاتاری تھا جو دمشق کے بردہ فروشی کے بازار میں کم و بیش پانچ سو روپے میں فروخت ہُوا تھا۔ جب اس کے آقا کو یہ معلوم ہُوا تھا کہ وہ یک چشم ہے تو وہ اسے غلاموں کے سوداگر کو واپس کر گیا تھا جس سے ایک اور شخص نے اسے خرید لیا تھا۔ آگے چل کر یہ تاتاری بڑے کام کا آدمی ثابت ہُوا۔ اسے یوں تو ہر قسم کے اسلحہ استعمال کرنے کی مہارت تھی لیکن فولادی فلاخن چلانے میں تو اُستاد تھا۔ پہلے مصر میں عربوں کی غلامی کے دوران ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا پھر سُلطان

ل Sul'tan Beibars

کر مر گئے اور آخر میں خود لُوئی بھی بیمار پڑ گیا۔ اس نے بستر علالت پر یہ دُعا مانگی کہ "اے خداوندا! اپنے اِن بندوں پر رحم فرما اور اُنھیں سلامتی کے ساتھ ان کے وطن پہنچا دے۔" پھر بڑی دیر تک چُپ چاپ لیٹا رہا۔ اس کے بعد زیرِ لب کہا۔ "یروشلم! یروشلم!" یہی اس کے آخری الفاظ تھے۔

اس کے مرنے کے بعد صلیبیوں نے اپنے خیمے اٹھائے اور وطن واپس چلے۔ جس روز وُہ ٹیونس سے روانہ ہوئے اس کے اگلے دِن طوفان آیا جس سے ان کا چھوٹا سا بیڑا منتشر ہو گیا۔ ایک تہائی جہاز سِسلی کے ساحل سے ٹکرا کر تباہ ہو گئے اور سینکڑوں جہازی کفِ دریا میں غرق ہو گئے۔ جو جہاز ساحل سے ٹکرا کر تباہ ہونے سے بچ گئے، ان پر آدمیوں کے علاوہ طاعون بھی سوار تھا۔ چنانچہ جب یہ بچا کھچا بیڑا فرانس کی طرف روانہ ہُوا تو صلیبی بیمار پڑ پڑ کر مرتے گئے۔ آخر جب ایک دوست ملک کی ایک بندرگاہ میں پہنچے تو وہاں ٹھہر کر مرے ہوؤں کا شمار کیا۔ سینٹ لُوئی

کا بھائی ، اس کی بھاوج ، اس کی بیٹی ازابیل[1] اور اس کا شوہر سب مر چکے تھے ۔ نائٹوں میں سے بہت سے مر چکے تھے یا عالمِ نزع میں تھے ۔ بہت جلد یہ خبر سارے فرانس میں پھیل گئی ۔ منصورہ کے بعد ٹیونس کا نام بھی صلیبیوں کے لیے ایک منحوس نام بن گیا ۔ اس کے بعد پھر کوئی صلیبی فوج ارضِ مُقدس کی جانب روانہ نہ ہوئی ۔

یروشلم کی بے حقیقت سی عیسائی سلطنت بیس سال تک گھسٹتی رہی ، پھر مسلمانوں نے عکّہ پر قبضہ کر کے اُسے ختم کر دیا ۔

اس کے آٹھ سال بعد اندرونِ ایشیا سے مغلوں کا طوفان اُٹھا اور عرب مُمالک کو پامال کرتا ہوا شام تک پہنچ گیا ۔ مغلوں کے خانِ اعظم نے دمشق میں اپنی لشکر گاہ سے پوپ کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ اگر عیسائی فوج مصریوں سے جنگ میں اُسے اِمداد دینے پر آمادہ ہو تو وہ اِس کے بدلے میں یروشلم کی سلطنت عیسائیوں کو دلوا دے گا ۔ دوسال گزر گئے مگر اس خط کا ، جو عجیب و غریب چینی

---

[1] Isabelle

رسم خط میں لکھا ہُوا تھا ، یورپ سے کوئی جواب نہ
ملا - اس نے پھر اسی مضمون کا خط بھیجا مگر
اب کے بھی جواب نہ آیا - کوئی عیسائی مُقدّس
مزارِ مسیحؑ واپس لینے کے لیے میدان میں نہ آیا -
خانِ اعظم کچھ عرصے بعد واپس چلا گیا - صلیبی
جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا -

سینٹ لوئی کے آخری الفاظ تھے "آہ یروشلم، یروشلم!"

صلیبی جنگوں کے بعد

ارضِ مُقدّس کے چپّے چپّے پر صلیبیوں کے بنائے ہوُئے بڑے بڑے قلعے موجود تھے مگر وہ گرمیوں کے طویل اور سردیوں کے مختصر مگر سخت موسموں کے اثرات سے ایک ایک کر کے گرتے جا رہے تھے۔ اِن قلعوں کے علاوہ صلیبیوں نے اپنے وہاں کوئی اور آثار نہیں چھوڑے تھے۔ جو نائٹ اِن قلعوں میں رہتے تھے انھوں نے مُلکی باشندوں کی زندگی پر اپنا کچھ بھی اثر نہیں ڈالا بلکہ خود ان سے متاثر ہوتے رہے۔ وہ وہاں قیام کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں مُسلمانوں کے رہن سہن کے طور طریقوں کے گرویدہ ہو گئے اور اُن کے گھر، اِن گھروں کے صحن، خانہ باغ اور فوارے، اِن کی ڈھیلی ڈھالی آرام دِہ اور پھریروں کی طرح اُڑتی

ہوئی عبائیں اُنھیں بھا گئیں ۔ وُہ اپنے مغربی طرزِ بودو ماند کو فراموش کر بیٹھے اور مشرقیوں میں گھل مل گئے یہاں تک کہ ایک دو نسل بعد یورپ کے تازہ وارِد صلیبیوں کو یہ لوگ بیگانے اور اجنبی معلوم ہُوئے اور خود اُن کی نظر میں یہ نووارد اُجڈ اور وحشی تھے ۔

عہدِ اوّل کے صلیبیوں کو مشرق میں جن بڑے آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہُوا اُن کی اچھی عادات و خصلات نے اُنھیں حیرت میں ڈال دیا ۔ یورپی لوگ غسل کبھی کبھار ہی کرتے تھے چنانچہ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہُوئے کہ مشرقی لوگ قدیم رومیوں کی طرح حماموں میں جا کر نہاتے ہیں، ورزش کرتے ہیں اور اس کے بعد سرد اور گرم پانی میں غوطے بھی لگاتے ہیں ۔ اُنھوں نے یہ بھی دیکھا کہ رومیوں کی طرح مسلمان بھی طہارت اور پاکیزگی پر بہت زور دیتے ہیں اور ان کا دین بھی اِن پر یہ فرض عاید کرتا ہے کہ روزانہ نہائیں دھوئیں اور خود کو پاک صاف رکھیں ۔

مسلمانوں کی یہ تمام عادتیں یورپیوں کو عورتوں

جیسی، نیز غیر سپاہیانہ معلوم ہُوئیں۔ اسی طرح لکھنا پڑھنا بھی اُن کے نزدیک ایک فضول کام تھا۔ شمال کے صلیبیوں کی نظر میں یہ کام پجاریوں کے کرنے کے تھے۔ سپاہیوں کو اِن سے کیا تعلق! بھلا کوئی نائٹ تحصیلِ علم کے لیے کہاں وقت نکال سکتا تھا! اور اُسے حصولِ علم کی ضرورت بھی کیا تھی!! اگر اسے کوئی یادداشت مُرتب کرانی ہو تو وہ اِس کام کے لیے محرّر رکھ سکتا تھا۔ صلیبی یہ دیکھ کر بڑے حیران ہُوئے کہ باز نطینی دربار کے امیر نہ صرف پڑھنا جانتے ہیں بلکہ انھیں لکھنا بھی آتا ہے بلکہ اکثر نظمیں اور گیت بھی لکھتے ہیں۔ یہ لوگ جامعات میں جاتے وہاں دانشوروں سے منطق بگھارتے اور اُن سے بحث مباحثہ بھی کرتے، اور وہ بھی کسی خاص مقصد سے نہیں بلکہ محض تفریحِ طبع کے لیے! صلیبی ظاہر تو یہی کرتے رہے کہ ہم باز نطینی امیروں سے اس بنا پر نفرت کرتے ہیں کہ وہ سپہ گر ہو کر اِس قسم کے فضول کاموں میں وقت اور قوت ضائع کرتے ہیں لیکن غیر محسُوس طور پر اُن سے متاثر بھی ہوتے رہے چنانچہ جب یورپ واپس گئے تو یہ تصوّر ساتھ

لے گئے کہ ایک نائٹ کو جس طرح اچھّا سپاہی ہونا چاہیے ۔ اسی طرح خوش مذاق اور علم و ادب سے بہرہ ور بھی ہونا چاہیے ۔ اب وہ اپنے بچّوں کے لیے جس طرح سپہ گری کے استاد رکھتے تھے اسی طرح عالم فاضل اُستاد بھی مقرر کرنے لگے ۔ صلیبیوں کی اس روش نے یورپ کے امیروں اور سرداروں کو مُہذّب بنانے اور اِن میں تعلیم رائج کرنے میں بڑا حِصّہ لیا ۔

لیکن صلیبی جنگوں کے اثر سے یورپ کے طرزِ بُود و ماند میں بحیثیتِ مجموعی بہت کم تبدیلی ہوئی ۔ آرٹ کے جو گراں بہا شاہکار صلیبی یورپ لے گئے ان کے اثر سے یورپ کے فنون میں کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی ۔ اس دُور میں، جب صلیبی جنگیں جاری تھیں، یورپ میں گوتھِک آرٹ عروج پا رہا تھا ۔ وہ بازنطینی آرٹ سے اتنا مختلف تھا کہ اس سے اثر قبول ہی نہ کر سکا ۔ صلیبی مشرق سے اپنے ساتھ جو کچھ لے گئے وہ اصل میں پُرتعیّش زندگی بسر کرنے کا وُہ تصوّر تھا جو ان کے ذہنوں میں قسطنطنیہ اور انطاکیہ کے باشندوں کے طرزِ بُود و ماند کو دیکھ کر پیدا ہُوا تھا ۔ اُنھوں نے ان شہروں

ہیں یہ دیکھا تھا کہ باز نطینی کیسی راحت و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے مکانات کتنے خوشنما اور آرام دہ ہوتے ہیں۔ صلیبی جنگوں کے آغاز میں یورپی امیروں اور سرداروں کے "محل" مستقل چھاونیوں جیسے ہوتے تھے۔ جیسے جیسے یہ جنگیں طول پکڑتی گئیں، صلیبی آسائش کی زندگی بسر کرنے کے خوگر بنتے گئے۔ لیکن اِن کی عمدہ عمارتیں بنانے کی یہ نئی اُمنگیں بھی جس فنِ تعمیر کے سانچے میں ڈھلیں گوتھک فنِ تعمیر ہی تھا۔ اُنھوں نے باز نطینی طرزِ تعمیر کی نقل نہیں کی بلکہ اپنا ایک جُداگانہ طرز نکالا۔

اُنھوں نے مشرقیوں سے جو باتیں سیکھیں ان میں اہم ترین بات شاید یہ تھی کہ حکومت کس طرح کرتے ہیں۔ باز نطینیوں نے سول سروس کا قدیم رومی طریقہ جوں کا توں قائم رکھا تھا۔ شہنشاہِ قسطنطنیہ مختلف محکموں اور وزارتوں کے ذریعے اپنے ملک پر بڑی چستی سے قابو رکھتا تھا۔ صلیبی جاگیرداری نظام کے خُوگر تھے۔ اِن کا ہر لارڈ اپنے علاقے کا حاکم ہوتا تھا اور اس ڈیوک یا کاؤنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا

تھا جس کی وفاداری کا حلف اُٹھا چکا ہوتا تھا۔ یہ ڈیوک اور کاؤنٹ اپنے اپنے علاقے پر جس طرح چاہتے تھے حکومت کرتے تھے۔ ان پر بادشاہ کا اقتدار بہت کم ہوتا تھا۔ جو یورپی بادشاہ مشرق پہنچے اُنھوں نے یہاں یہ دیکھا کہ بادشاہ اقتدارِ مطلق کا مالک ہے اور جاگیردار اور نواب اس کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ وہ ایک مطلق العنان حاکم ہے اور اس کی مملکت کا ہر حصّہ اس کے تابعِ فرمان ہے۔ یہ یورپی بادشاہ جب یورپ واپس گئے تو یہ خیال لے کر گئے کہ ہم بھی اپنے ملک پر اسی طرح حکومت کریں گے۔

اُنھوں نے مشرق میں یہ بھی دیکھا کہ شہنشاہِ قسطنطنیہ اپنی مملکت میں ہر بڑے سے بڑے پادری سے کہیں برتر سمجھا جاتا ہے۔ بازنطینی کلیسا کو روما کے پوپ جیسا اقتدار حاصل نہیں تھا کیونکہ شہنشاہ قسطنطنیہ خود ہی کلیسا کا سربراہ بھی تھا۔ یورپ کے بادشاہ یہ تصوّر اپنے ساتھ لے گئے کہ کسی ملک کے بادشاہ کی ذات اس مُلک کے اعلیٰ ترین اقتدار کا مرکز ہوتی ہے۔ اس کے بعد وُہ اپنے اپنے

ملکوں کے اسقفوں اور پادریوں کا یہ دعوےٰ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے کہ وہ بادشاہ کے قوانین اور احکام سے ماوراء ہیں بلکہ اب تو وہ پوپ کی حاکمیّت کو بھی اپنی حاکمیت سے بالاتر ماننے کو تیار نہیں تھے صلیبی جنگوں سے پہلے مغربی یورپ کے باشندے خود کو دُنیائے عیسائیت کے افراد سمجھا کرتے تھے۔ وُہ پہلے عیسائی تھے، پھر کچھ اور تھے چنانچہ بادشاہوں سے زیادہ پوپ کے فرمانبردار ہوتے تھے اور پوپ کے بعد بھی بادشاہ کے نہیں بلکہ اس سے پہلے اپنے علاقے کے جاگیردار کے وفادار ہوتے تھے - اُن کا بادشاہ سے بہت دُور کا تعلق ہوتا تھا اور قومیّت اور وطنیت کا تو یورپ میں اس وقت کوئی تصّور ہی نہیں تھا لیکن صلیبی جنگوں کے دوران میں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ قومیت اور وطنیت کا تصّور زور پکڑنے لگا اور مذہبی حکومت کا تصّور ماند پڑ گیا - پہلی صلیبی جنگ میں ہر ملک کے صلیبی نے ایک سی سُرخ صلیب اپنے کپڑوں پر لگا رکھی تھی لیکن تیسری صلیبی جنگ میں فرانسیسی صلیبیوں کی صلیب سُرخ رنگ کی تھی، انگریزوں

تتمّہ

اِس عنوان کے تحت اُن سب حواشی کو یکجا کر دیا گیا ہے جو کتاب کے متن میں اس بنا پر درج نہیں کیے گئے کہ ہر حاشیہ طوِیل ہونے کی وجہ سے کئی کئی صفحوں پر پھیلا ہُوا ہے۔ متن کے جس کسی مقام پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں علامت ٥ دے کر صفحے کے زیریں حصّے میں اسی علامت کے ساتھ تتمّے کے اُس صفحے کا حوالہ دے دیا گیا ہے جس پر متعلقہ حاشیہ درج ہے۔ ہر حاشیہ باعنوان ہے تاکہ قاری کو تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ یہ طویل حاشیے لکھنے کی ضرورت اِس لیے محسوس ہوئی کہ مصنّف سے بعض مقامات پر ایسے تسامح ہو گئے ہیں، جن کی اصلاح نہ کرنے کی صُورت میں اس کتاب کے قاری کے ذہن میں صلیبی جنگوں کے بارے میں غلط باتیں جاگزیں ہو سکتی ہیں۔ (مترجم)

مُسلمانوں کی تباہی سے سُلطان صَلاح الدین کو اشتغال

مشہور عیسائی مورّخ لین پُول نے لکھا ہے کہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق صلیبیوں کی تاخت و تاراج اور لُوٹ مار روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی اور وہ مسلمانوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچا رہے تھے کہ اس کا

اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کُشت و خون اور لُوٹ مار کرتے ہوئے دیارِ بکر میں آمد تک پہنچنے لگے۔عراق میں وہاں کے مسلمانوں کا تمام چاندی سونا اور بیش قیمت چیزیں لُوٹ لیں۔حرّان اور رقّہ میں مسلمان خواتین کی بےحُرمتی کی اور مردوں کو مظالم کا نشانہ بنایا۔اور جب تک وہاں ٹھیرے رہے روزانہ ہزاروں مسلمانوں کو ہلاک کرتے رہے۔پھر انھوں نے مسلمان تاجروں پر یہ ستم توڑا کہ دمشق کو جتنے راستے جاتے تھے سب بند کر دیے اور صرف وہ راستہ کھُلا رکھّا جو رحبہ سے گزر کر صحرا میں سے جاتا تھا۔مگر یہ راستہ بہت لمبا تھا۔اس میں مسافروں اور تاجروں کو صعُوبتیں اور خطرے جھیلنے پڑتے تھے بلکہ ہر لمحہ جان و مال کے زیاں کا اندیشہ بھی لاحق رہتا تھا۔اکثر ایسا ہُوا کہ اس راستے پر سفر کرنے والے بیشتر تاجر لُوٹ لیے گئے یا انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

صلیبی اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے وہاں آس پاس کے شہروں سے ناجائز رقمیں وصول کرنی شروع کر دیتے جنھیں "محصُول" کا نام دیتے۔انھوں نے حلب کے مسلمانوں کو مجبُور کیا کہ اپنی آمدنی کا نصف حصّہ "محصُول" کی مَد میں اُن کے حوالے کریں اور باب الجنّہ کے قریب جو پن چکّی تھی اس کی آمدنی جبراً وصول کرنے لگے۔

رفتہ رفتہ اُن کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ اُنھوں نے اپنے گماشتے دمشق اس غرض سے بھیجے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں کے علاقوں کو خود مختاری

دینے پر مجبور کریں اور انھیں یہ دھمکی دیں کہ اگر ان عیسائیوں کو خود مختاری نہ دی گئی تو انھیں مسلمانوں کی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا جائے گا۔ صلیبیوں کا جہاں جہاں گزر ہوتا وہاں وہ مسلمانوں کا خون بہاتے، انھیں لوٹتے، اُن کا مال و اسباب چھین لیتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دیتے۔ بالڈون کے شہسوار اور جوسلین مسلمانوں کے لیے قہرِ خداوندی بنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بصرے تک لُوٹ مار کر رہے تھے بلکہ ان کی تاخت و تاراج کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے داریہ تک پہنچ گیا تھا، جو دمشق سے چند ہی میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں اُنھوں نے کھڑی فصلیں لُوٹ لیں اور سیبوں کے باغات اُجاڑ دیے بلکہ کھیت اور باغات کیا جو کچھ بھی سامنے آیا غارت کر دیا۔

ان حالات کی بنا پر سلطان صلاح الدین ایوّبی ایک عرصے سے عیسائیوں سے جہاد کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اُسے فوری اشتعال حونین (جاسلین) کے ریجینالڈ نے دلایا۔ یہ عیسائی سردار قلعۂ کرک کا حاکم تھا۔ اس نے کئی مرتبہ سلطان سے صلح بھی کی اور دوستی کے پیمان بھی باندھے مگر عملاً کبھی صادق القول ثابت نہ ہُوا۔ یہ شخص عہد شکنی کے معاملے میں دُنیا بھر میں بدنام تھا۔ طبعاً ایک موذی انسان تھا اور مسلمانوں کے اُن کاروانوں کو، نیز حاجیوں کے اُن قافلوں کو لُوٹ کر بہت خوش ہوتا تھا، جو مصر سے شام کی طرف آتے تھے۔ ۱۱۷۹ء میں اس نے سلطان سے صلح کر رکھی تھی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ صلح کا زمانہ ہے مسلمانوں کا ایک

کارواں اس کے قلعے کی تلہٹی میں خیمہ زن ہوگیا مگر ریجینالڈ نے قلعے سے نکل کر ان کا کُل مال و اسباب لُوٹ لیا، جس کا تخمینہ دو ہزار دینارِ سُرخ کیا گیا۔ یہی نہیں کارواں کے مردوں عورتوں اور بچّوں بلکہ جانوروں تک کو گھیر کرلے گیا اور اُن سب کو بیچ ڈالا۔ ۱۱۸۳ء میں اس نے پھر یہی حرکت کی حالانکہ وہ بھی صلح کا زمانہ تھا۔ ۱۱۸۶ء میں اس میں اور سلطان میں صلح کا اعلان ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے قافلے مصر اور شام کے درمیان آنے جانے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ قلعۂ کرک کے حاکم کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ اس نے سلطان سے پُرامن رہنے کا وعدہ کر لیا ہے مگر اچانک ریجینالڈ مسلمان تاجروں کے ایک کارواں پر آ پڑا اور اس کا کُل مال و متاع لُوٹ لیا حالانکہ اس قافلے کے بارے میں یہ کہا جا رہا تھا کہ سلطان کی ایک بہن بھی ایک بند پالکی میں اس کے ہمراہ سفر کر رہی ہے۔ جب قافلے والوں نے اس سے درخواست کی کہ انھیں رہا کر دیا جائے کیونکہ یہ زمانۂ امن ہے تو اِس نے اُن پر اُسی طرح لعن طعن کی جس طرح یہودیوں کے سردار کاہن نے حضرت مسیح پر اس وقت لعن طعن کی تھی جب سپاہی آپ کو صلیب دینے کے لیے لے جا رہے تھے۔ اس نے مسلمان تاجروں سے کہا "تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو تو اُس سے کیوں نہیں کہتے ؟ وہ آئے اور تمھیں بچائے!!" پھر، مسلمانوں کے رواداری برتنے کی وجہ سے اس کی ہمّت اتنی بڑھ گئی

کہ اس نے مکۂ معظّمہ اور مدینۂ منوّرہ پر قبضہ کرنے اور رسُولِ خُدا
صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر کی بے حُرمتی کرنے کا منصُوبہ باندھا۔
اس نے قلعۂ کرک میں ایسے جہاز تیار کروائے جن کے حصّے الگ الگ
کیے جا سکتے تھے اور پھر جوڑے بھی جا سکتے تھے۔ اِن حصّوں کو اُس
نے خلیج عقبہ کے ساحل پر جمع کیا اور یہاں انھیں جڑوا کر بحری جہازوں
کا ایک بیڑا تیار کیا، پھر اس میں سپاہ بٹھائی اور عیذاب کو لُوٹنے چلا
جو بحیرۂ قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھا۔ اس نے ایلہ کا بحری
راستہ بند کر دیا تھا تاکہ مسلمان مداخلت نہ کر سکیں مگر مسلمان اس
کی کارروائیوں کی اطلاع ملتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا بحری بیڑا
فوراً اس کے بیڑے کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ اس بیڑے کی کمان
مسلمانوں کا مشہور امیرالبحر لُولُو کر رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ایلہ
کا راستا کھولا اور پھر اس راستے سے اپنی پُوری فوج کو الحورا تک
لے آیا جو بحیرۂ قلزم کی ایک مشہور و معروف بندرگاہ تھی۔ ریجینالڈ اِسی
مقام کو اپنا اڈّا بنا کر یہاں سے مدینۂ منوّرہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا
تھا لیکن جب دیکھا کہ اسلامی فوجیں سر پر آ پہنچی ہیں تو وہ اور
اس کے سپاہی جہازوں سے اُتر کر پہاڑوں کی طرف بھاگے۔ لُولُو
نے بدویوں سے گھوڑے لے کر اپنے سپاہیوں کو ان پر سوار کیا اور
دُشمن کا تعاقب شروع کر کے غار روباغ کے مقام پر اُسے جا لیا۔
اُس کی فوج نے ریجینالڈ کے سپاہیوں کو یا تو چُن چُن کر مار ڈالا یا

گرفتار کر لیا مگر خود ریجینالڈ زندہ بچ نکلا۔ اندلس کا مشہور و معروف سیاح ابنِ جبیر اُن دِنوں اسکندریہ میں تھا۔ جب ریجینالڈ کی فوج کے سپاہی، جو مسلمانوں کے قیدی تھے، وہاں لائے گئے، اس نے ان کے اسکندریہ میں آمد، وہاں ان کی تذلیل اور مسلمانوں کے غم و غصّہ کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ قیدی اونٹ کی پیٹھ پر اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ ان کے مُنہ اونٹوں کی دُموں کی طرف تھے۔ خلقت ان کے پیچھے پیچھے ڈھول پیٹتی ہوئی چل رہی تھی۔ مسلمانوں میں بے حد غصّہ پایا جاتا تھا۔ جب ان میں ریجینالڈ کی اس مہم کی غرض و غایت کے بارے میں گفتگو ہوتی تو وہ طیش کی شدّت سے رونے لگتے۔ اس نصرانی امیر کی ان حرکات پر انھیں بڑا غصّہ تھا کہ اس نے عربوں کے بیس جہاز جلا ڈالے، جدّہ کے قریب حاجیوں کے ایک جہاز کو پکڑ کر لُوٹ لیا۔ عیذاب کی بندرگاہ سے مسلمانوں کے ایک کارواں کو لُوٹا، جو دریائے نیل کے کنارے پر کوش میں اُترا ہُوا تھا، اور اس کے ایک بھی فرد کو زندہ نہ چھوڑا، اس نے یمن کے ان دو جہازوں کو بھی غرق کر دیا جو مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ سے سامان لے کر جا رہے تھے اور پھر سرزمینِ عرب میں اس ارادے سے داخل ہُوا کہ مدینۂ طیبہ کو مسمار کر دے اور حضورؐ صلعم کے مزارِ مبارک سے آپؐ کا جسدِ مبارک نکال پھینکے۔

سلطان صلاح الدین ایّوبی ۱۱۸۳ء میں اکتوبر کے مہینے میں دمشق سے

چل کر کرک پہنچا تاکہ اس ریجینالڈ کو کیفرِ کردار کو پہنچائے مگر اس مکار قزاق کو گرفتار کرنے یا اس کے قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ سلطان نے قلعۂ کرک کا محاصرہ کرلیا۔ اُس کی فوجوں کے ساتھ اس کے بھائی العادل کی فوجیں بھی شریکِ محاصرہ تھیں مگر محاصرہ ناکام ہی رہا۔ مسلمانوں کی منجنیقیں برابر قلعے پر پتھر برساتی رہیں مگر اس کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ ان پر اس سنگباری کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ پھر یروشلم کی عیسائی فوجیں ریجینالڈ کی مدد کو آگئیں۔ سلطان کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ کرک سے ہٹ آیا۔

آیندہ سال (۱۱۸۴ء میں) ۱۲ر اگست کو اس نے دوبارہ قلعۂ کرک فتح کرنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی محاصرہ ناکام ہونے لگا۔ اس پر سلطان اور اُس کے مملوک زبردستی راستہ نکال کر شہر کے اندر گھُس گئے۔ کرک کے باشندے اس وقت لڑنے کو تیار نہ تھے۔ سارا شہر ناچنے گانے والیوں سے بھرا ہُوا تھا۔ یروشلم کے عیسائی بادشاہ کی سوتیلی بہن ازابیلا کی شادی ہمفری رابع سے ہو رہی تھی، سب اس کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس صورتِ حال سے مسلمانوں کو یہ اُمید بندھی کہ اُن کا مُدّعا حاصل ہو جائے گا اور انھوں نے شہر پر پُوری قوّت سے ہلّہ بول دیا۔ اس وقت ریجینالڈ قلعے کے باہر تھا۔ اس نے خندق کے پُل سے گزر کر قلعے کے اندر جانا چاہا۔ مسلمان سپاہیوں

اس پُل کو حملے کا نشانہ بنا لیا۔ شہر کے اندر عیسائیوں کی جو فوج
تھی اس نے پُل کے ستون مُنہدم کرنے شروع کر دیے تاکہ مسلمان
پُل سے گزر کر قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکیں بہرحال شہر پر تو
مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن ریجینالڈ ان کے ہاتھ نہ آیا کیونکہ وہ اس
وقت تک قلعے کے اندر پہنچ چکا تھا۔ یہ اُس زمانے کا عجیب آئینِ
جنگ تھا کہ سلطان نے شادی کے درہم برہم ہو جانے کے اندیشے سے
اس مہم کو مکمّل نہ کیا بلکہ وہ اپنی طرف سے ریجینالڈ کو شادی
کی ضیافت کا کھانا گوشت اور شراب کی شکل میں بھیج کر اس تقریب
میں شریک ہُوا اور اس کا یہاں تک احترام کیا کہ اپنی سپاہ کو حکم
دے دیا کہ کوئی تیر انداز اُس بُرج پر تیر نہ پھینکے جس میں دُولھا
دلھن کا قیام ہے۔

ؔگے کی شکست

سُلطان صلاح الدین نے دشمن کو نرغے میں لے لیا اور اس پر پانی
نیز رسد کے تمام راستے بند کرکے انھیں بالکل بے بس کر دیا۔ اُدھر
عیسائیوں نے اپنی پُوری قوّت اس پر صرف کر دی کہ چشموں تک پہنچ
جائیں مگر یہ مقصد حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد اصلی صلیب یا
صلیبِ اعظم بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ یہ صلیب عکّہ کے اسقف کے
ہاتھ میں تھی، جس نے اسے سر سے اُونچا کر رکھا تھا۔ یہ اسقف

فولادی زرہ پہنے ہوئے تھا، پھر بھی مارا گیا۔ صلیبیوں کی حالت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خدا نے ان کے سروں پر سے اپنا سایہ ہٹا لیا ہے۔ وہ پیاس سے بیتاب تھے اور ان کے جسم گرمی سے جل رہے تھے، اس لیے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور گھاس پر اس طرح لوٹنے لگے جیسے دریا میں تیر رہے ہیں حالانکہ گھاس بالکل سوکھی تھی۔ مسلمانوں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان پر ٹوٹ پڑے۔ عیسائی اس قابل نہ رہے تھے کہ اپنی مدافعت کر سکتے۔ اُنھوں نے تلواریں پھینک دیں اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے چیدہ چیدہ سرداروں کو قید کر لیا باقیوں کو مار ڈالا۔ عیسائی سپاہیوں میں سے بیشتر مارے گئے۔ جو زندہ بچے وہ قیدی بنے۔ ایک ایک مسلمان سپاہی نے تیس تیس عیسائی سپاہی گرفتار کیے اور انھیں صرف خیمے کی رسیوں سے باندھ باندھ کر لے گیا۔ میدانِ جنگ میں ٹوٹی پھوٹی صلیبیں، کٹے ہوئے انسانی پاؤں اور لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور کٹے ہوئے انسانی سر زمین پر جابجا اس طرح پڑے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے توڑ کر ڈال دیے جاتے ہیں۔

عیسائیوں کے جو نمایاں افراد گرفتار کیے گئے اُن میں یروشلم کا عیسائی بادشاہ گے، اس کا بھائی جوئین کا ریجینالڈ، تبنین کا ہمفری طبقات دادیہ والبیطار کے دونوں مُقدم اور بہت سے بڑے بڑے عیسائی نائٹ شامل تھے۔ ریمنڈ نے جب یہ دیکھا کہ گے قید ہوگیا ہے تو کسی نہ کسی

طرح راستا نکال کر فرار ہوگیا اور صُور پہنچ کر ہی دم لیا مگر شرمندگی اِتنی غالب تھی اور شکست کا اتنا صدمہ تھا کہ جلد ہی مر گیا ۔ عبلین کا بالیان عیسائیوں کی ہراول فوج میں تھا وہ بھی اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھا کر بچ کر نکل گیا اور اس کے ساتھ صیدون کا والی بھی فرار ہوگیا ۔

سلطان صلاح الدین نے لڑائی ختم ہوجانے کے بعد میدانِ جنگ میں خیمہ نصب کرایا اور اس میں دربار کرکے قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا ۔ گے اور ریجینالڈ کو اندر لایا گیا ۔ سلطان نے گے کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور جب دیکھا کہ وہ پیاسا ہے تو اسے برف کے پانی کا کٹورا منگوا کر دیا ۔ گے نے خود پانی پینے کے بعد کٹورا ریجینالڈ کو دے دیا ۔ سلطان اس سے ناخوش ہُوا اور ترجمان کے ذریعے کہا کہ اسے یہ پانی تم نے دیا ہے میں نے نہیں دیا ہے ۔ یہ شخص میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا ۔ یہ کہہ کر اُٹھا اور ریجینالڈ کے سامنے آکر اس کو غصّے کی نظر سے گھُورنے لگا ۔ ریجینالڈ جب سے خیمے کے اندر آیا تھا کھڑا ہی رہا تھا ۔ سلطان نے اس سے کہا ۔ "سُن ! میں نے تجھے قتل کرنے کی دو مرتبہ قسم کھا رکھی ہے ۔ ایک مرتبہ اُس وقت کھائی تھی جب تُو نے مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنا چاہا تھا اور دُوسری مرتبہ اُس وقت کھائی جب تُو نے حاجیوں کے قافلے کو لُوٹا ۔ اب مَیں تجھ سے اس بے ادبی اور گستاخی کا

انتقام لیتا ہوں"۔ اور تلوار میان سے نکال کر اسے قتل کر دیا۔ گے یہ دیکھ کر لرز گیا۔ وہ سمجھا اب میری باری آئے گی مگر صلاح الدین نے اُسے تسلّی دی اور یہ کہا کہ اس شخص نے بار بار بدعہدی کی تھی اس لیے میں نے اسے قتل کر دیا۔ تمھارے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جائے گا۔ دادیہ اور البیطار کے دو سو شہسواروں اور نائیٹوں کو بھی اس بنا پر قتل کر دیا گیا کہ وہ اپنے دین کے بارے میں بیجا جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے رہے تھے مگر یروشلم کے عیسائی بادشاہ گے کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا۔ اس میدانِ جنگ میں تیس ہزار انسان مارے گئے تھے۔ لڑائی کے ایک سال بعد بھی وہاں انسانی ہڈیوں کے سفید سفید ڈھیر لگے ہوئے تھے اور لاشوں کے جو ٹکڑے مردم خور حیوانوں کے منہ سے بچ رہے تھے، وہ بھی جابجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔

یروشلم کی جنگ

۲۰ ستمبر کو، اتوار کے دن مسلمان یروشلم کی شہرپناہ کے سامنے نمودار ہوئے۔ اس سے پہلے چھتّر دن کے اندر اندر انھوں نے یروشلم کا سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ صرف دارالحکومت فتح ہونا رہ گیا تھا۔ اب وہ اسے بھی فتح کر لینا چاہتے تھے۔ صلیبی جنگوں کا اصل مقصد اس شہر پر قبضہ اور اس قبضے کو برقرار رکھنا تھا۔ عیسائیوں نے اسی

مقصد سے یروشلم پر یلغار کی تھی ۔ صلاح الدین تہیّہ کر چکا تھا کہ عیسائیوں کو یہ مقصد حاصل نہ کرنے دے گا ۔

سلطان نے اپنی فوجیں پہلے شہر کے مغرب میں اس کی فصیل کے اُس حصّے کے مقابل کھڑی کیں جو بابِ داؤد سے بابِ استیفن تک تھا مگر پھر اُس نے بہت جلد اندازہ کر لیا کہ یہ جگہ مناسب نہیں ہے ۔ ایک تو اس رُخ پر بے شمار عیسائی سپاہی فصیل کی حفاظت کے لیے موجود تھے دُوسرے جس قطعۂ زمین پر مسلمانوں نے اپنے آلاتِ حرب نصب کرنے شروع کیے وہ برج تنکرد اور بُرجِ داؤد کی زد پر تھا چنانچہ عیسائیوں نے فصیل کے دروازوں سے باہر نکل نکل کر مسلمانوں کے ان مہندسوں کو پسپا کرنا شروع کر دیا تھا جو منجنیقیں نصب کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ اس کے علاوہ یہاں دُھوپ بھی سامنے کے رُخ سے پڑ رہی تھی اس لیے حملہ سُورج ڈھل جانے کے بعد ہی کیا جا سکتا تھا ۔ غرض سلطان نے اس جگہ فوج جمانے کا خیال ترک کر دیا اور پانچ دن تک موزوں مقام کی تلاش میں شہر کے گرد چکر لگاتا رہا آخر پانچویں دن مشرق کی طرف ایک مقام پر لشکر جمایا ۔ اس سے وادیٔ قدرون نشیب میں دکھائی دیتی تھی اور اس طرف کی فصیل بھی کمزور تھی ۔

جب سلطان نے ۲۵ ستمبر کو اپنا لشکر اس مقام سے ہٹایا جہاں پہلے کھڑا کیا تھا تو اسے جاتا دیکھ کر اہلِ شہر خوش ہونے لگے

اور یہ سمجھے کہ سلطان نے یروشلم کے محاصرے کا ارادہ ترک کردیا ہے وہ خُدا کا شکر ادا کرنے کے لیے دَوڑ دَوڑ کر گرجوں میں پہنچے۔ اس وقت وہ خوشی سے پھُولے نہیں سما رہے تھے مگر اگلے دن یہ خوشی آہ وزاری میں تبدیل ہوگئی۔ انھوں نے دیکھا کہ جبلِ زیتون پر اسلامی پرچم لہرا رہا ہے، مسلمانوں کی منجنیقیں نصب ہو چکی ہیں، ان کے نقب زنوں نے رات ہی رات میں شہر کے دروازے کی سنگین عمارت کے نیچے سُرنگ بھی کھودنی شروع کر دی ہے، دس ہزار مسلمان شہسواروں نے بابِ استیفن اور بابِ جوزوفٹ کو زد پر لے کر عیسائیوں کے ان حملوں کو روک دیا ہے جو وہ شہر کے دروازے سے باہر نکل نکل کر کر رہے تھے، مسلمان نقب زن ڈھالوں کی دیوار کی آڑ میں اپنے کام میں مصروف ہیں جو اس بنا پر عیسائیوں کے حملوں سے محفوظ ہے کہ مسلمان تیرانداز عیسائیوں پر لگاتار تیروں کی بارش کر رہے ہیں اور ان کی منجنیقیں بھی مسلسل پتھر برسا رہی ہیں اور مسلمانوں کی تیروں اور پتھروں کی یہ بوچھاڑ اتنی شدید ہے کہ کسی عیسائی کا فصیل پر ٹھہر سکنا محال ہے۔(فصیل کے کنگروں میں اتنے تیر لگے تھے کہ خلالوں کی طرح نظر آرہے تھے)۔

مسلمانوں کے نقب زن برابر اپنا کام کرتے رہے یہاں تک کہ دو دن کے اندر اندر دروازے کی عمارت کے نیچے تیس چالیس قدم لمبی ایک سُرنگ کھُد گئی جس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی گئی۔ اس سے

دیوار میں ایک بڑا سارا رخنہ ہوگیا ۔

عیسائی نائٹوں نے بار بار کوشش کی کہ مسلمان نقب زنوں کو ان کی جگھوں پر سے ہٹا دیں مگر جو بھی نائٹ شہر سے باہر نکل کر حملہ کرتا سلطان کے شہسوار اسے مار کر شہر کے اندر گھسا دیتے ۔

یروشلم کے شہریوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا ۔ لوگ گرجوں میں جاجا کر دُعائیں مانگنے لگے ۔ گڑگڑا کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ، پتھروں سے اپنے سینے کُوٹتے ، اپنے جسموں پر کوڑوں سے ضربیں لگاتے اور خدا سے رحم طلب کرتے ۔ عورتیں اپنی بیٹیوں کے سر مُونڈ کر انھیں پانی میں غوطے دیتیں تاکہ جو بے عزتی ہوتی دکھائی دے رہی تھی ، وہ ٹل جائے ۔ اسقف اور راہب ہاتھوں میں لُحم مسیح اور صلیبیں لیے مزامیر پڑھتے ہوئے شہر میں گشت کرنے لگے ۔ لیکن "گنہگاروں" کی یہ آہ و فغاں بابِ رحمت تک نہ پہنچ سکی ۔ شہر پناہ میں جو سوراخ مسلمانوں نے کر دیا تھا محصورین اس پر نہ ٹھہر سکے ۔ اگر کوئی کسی عیسائی کو سو اشرفیاں بھی دیتا اور یہ کہتا کہ رات یہاں گزار دو تو وہ آمادہ نہ ہوتا ۔ اہلِ شہر مطالبہ کرنے لگے کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے ۔ عیسائی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا ۔ تجویز یہ ہوئی کہ سب کے سب ایک ساتھ شہر سے باہر نکل کر جانیں دے دیں لیکن بطریق ہرکیُولیز نے کہا کہ یہ تو عورتوں اور بچّوں کو دُشمن کے حوالے کرنا ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کی گفت و شنید

کی جائے چنانچہ ایک عیسائی سردار بالیان سلطان کے پاس بھیجا گیا مگر عین اس وقت جب وہ سلطان سے صلح کی درخواست کر رہا تھا مسلمان اس جگہ میں سے شہر کے اندر گھسنے لگے جہاں نقب زنوں نے فصیل میں بڑا سارا سوراخ کر دیا تھا اور چشم زدن میں شہر کے دروازے پہ ہلالی پرچم لہرانے لگا۔ اس پر سلطان نے بالیان سے کہا کہ کہیں کسی مفتوحہ شہر کے لوگوں سے بھی صلح کی جاتی ہے۔ مگر ابھی شہر پر مسلمانوں کا پورا قبضہ نہ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے زور لگا کر انھیں پیچھے دھکیل دیا۔ سلطان یہ چاہتا تھا کہ جو لوگ مذہبی شغف کی وجہ سے یروشلم میں رہ رہے ہیں، ان کی جانیں بچ جائیں اس لیے اُس نے یہ کہا کہ ہر چند میں نے یروشلم کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کی قسم کھا رکھی ہے لیکن اگر عیسائی اس شہر کا قبضہ اس طرح دے دیں کہ جیسے یہ حملے کے بعد فتح ہُوا ہے، تو میں سمجھ لوں گا کہ میری قسم پوری ہوگئی اور سب باشندگانِ شہر کو جنگی قیدی تصوّر کر کے فدیہ لینے کے بعد رہا کر دوں گا۔ ہر مرد کو دس اشرفیاں ادا کرنی ہوں گی اور دو عورتیں یا دس بچّے ایک مرد کے برابر سمجھے جائیں گے، جن باشندوں کے پاس فدیہ ادا کرنے کو کچھ نہ ہوگا انھیں فی ہزار تیس اشرفی لے کر رہا کر دیا جائے گا۔ اور یہ رقم بادشاہ ہنری کی اُس رقم میں سے لی جائے گی جو البیطار کے نائٹوں کے پاس جمع ہے، فدیہ چالیس دن کے اندر اندر ادا

ہوجانا چاہیے، اس مُدت کے بعد باقی ماندہ شہریوں کو غُلام بنالیا جائے گا۔ اس مُعاہدے پر رجب کی ستائیسویں تاریخ کو جمعہ کے دن دستخط ہوئے جس کی رات معراج کی رات ہوتی ہے۔

عیسائیوں کا یروشلم سے پُرامن اِنخلا

لین پُول لکھتا ہے کہ صلاح الدین نے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور کُشادہ دل انسان پہلے کبھی ثابت نہیں کیا تھا جیسا اُس موقعے پر کیا جب عیسائی یروشلم کا شہر مسلمانوں کے حوالے کر رہے تھے۔ اس کی سپاہ نیز ذمّہ دار افسروں نے شہر کے گلی کوچوں میں امن و امان قائم رکھا اور ہر قسم کے ظلم کو روکا۔ یہ اُسی کا نتیجہ تھا کہ کسی ایک بھی عیسائی کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ شہر سے باہر جانے کے تمام راستوں پر سلطان کی فوج کا پہرہ تھا اور باب داؤد پر، جس سے عیسائی باہر جا رہے تھے، ایک مُعتبر امیر اس غرض سے مُتعیّن تھا کہ ہر اس عیسائی کو، جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہو، باہر جانے دے۔ سب سے پہلے یروشلم کا سربرآوردہ عیسائی بالیان تیس ہزار اشرفیاں لے کر آیا۔ انگلستان کے بادشاہ ہنری کی یہ رقم البیطار کے شہسواروں کے پاس جمع تھی۔ اس سے دس ہزار آدمی رِہا ہوئے۔ پھر عیسائی تاجر یکے بعد دیگرے اشرفیاں لے کر آتے رہے۔ ہر ایک کا خاندان اس کے ہمراہ ہوتا۔ انھیں رہائی دی گئی۔ بعض عیسائی اتنے

غریب تھے کہ وہ اپنا فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے ۔مسلمان تاجر اور سپاہی ، جو شہر میں آ گئے تھے ، ایسے عیسائیوں کا مال اسباب خریدنے لگے تاکہ ان کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لائق رقم ہو جائے ۔ کوکبری نے ، جو شہر الرہا کا ایک رئیس تھا ، ایک ہزار عیسائیوں کا زرِ فدیہ اپنی جیب سے دے کر انھیں آزاد کرا یا ۔ دیگر مسلمان سردار بھی اس نیک کام میں حصہ لے رہے تھے ۔ مگر بعض عیسائی اُمرا نے عیسائیوں کو مسلمانوں جیسے کپڑے پہنا کر شہر سے باہر پہنچا دیا اور جب وہ پہرے کے سپاہیوں سے کچھ دُور نکل گئے تو جو کچھ ان کے پاس تھا سب رکھوا لیا ۔"مُقدّس مآب" بطریق یروشلم نے گرجوں کی دولت سمیٹی اور سونے کے پیالے اور آبِ مُطہر رکھنے کا سامان بلکہ مزارِ مسیحؑ کے طلائی ظروف تک چُرا لیے ۔ اس کے پاس اپنا ذاتی اندوختہ بھی بہت تھا ۔ وہ بھی اس نے محفوظ کر لیا تھا ۔ یہ مجموعی دولت اتنی تھی کہ اگر وہ چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زرِ فدیہ ادا کر دیتا ۔ مگر اس نے ایک بھی عیسائی کا زرِ فدیہ نہ دیا ۔ جب مُسلمان سرداروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان کو لُوٹ کا مال لے جانے سے روکا جائے تو سلطان نے جواب دیا کہ مَیں جو قول دے چُکا ہوں اس سے نہیں پھر سکتا ۔ غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڑا پادری بھی صرف دس اشرفیاں دے کر شہر سے نکل گیا ۔ چالیس روز تک عیسائیوں کے بابِ داؤدؑ سے نکلنے کا سلسلہ جاری رہا ۔ پھر رعایت کی میعاد

ختم ہوگئی مگر اب بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی شہر میں ایسے رہ گئے جن کا فدیہ ادا نہیں ہُوا ۔ کنجوس مالدار عیسائیوں نے انھیں غلام بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا ۔ یہ دیکھ کر سلطان صلاح الدین کا بھائی العادل اس کے پاس آیا اور کہا " خدا کے فضل و کرم سے میں نے یہ شہر فتح کرنے میں آپ کی امداد کی ہے اس لیے میری یہ درخواست ہے کہ مجھے ایک ہزار غلام ان غریب عیسائیوں میں سے عنایت فرما دیں جو اس وقت یروشلم میں موجود ہیں " صلاح الدین نے پوچھا ۔ " اتنے غلام لے کر کیا کرو گے ؟ " العادل نے جواب دیا ۔ " جو میرے جی میں آئے گا وہ کروں گا " سلطان نے العادل کو ایک ہزار غلام دے دیے ۔ العادل نے ان سب کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا ۔ اب بطریق اور بالیان سلطان کے پاس آئے اور یہی درخواست انھوں نے بھی کی ۔ سلطان نے ایک ایک ہزار غلام ان کو بھی دے دیے ۔ وہ سب بھی آزاد کر دیے گئے ۔ پھر سلطان نے کہا ۔ " میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی اپنی طرف سے غلام آزاد کیے ہیں ۔ اب میں اپنی طرف سے غلام آزاد کرتا ہُوں " اور اپنی سپاہ کو حکم دے دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کرا دو کہ تمام ایسے عیسائی ، جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کو کچھ نہیں ہے ، آزاد کیے جاتے ہیں تاکہ جہاں ان کا جی چاہے چلے جائیں ۔ صبح سے شام تک ایسے لوگوں کے پرے کے پرے شہر سے نکل نکل کر جاتے رہے ۔ یروشلم کے

مفتوح عیسائیوں کے رہا کیے جانے کا یہ حال ایک عیسائی مورّخ ارنول نے لکھا ہے جو بالیان کا مصاحب تھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین کی ان مہربانیوں اور عنایتوں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جو سُلطان نے عیسائی نائٹوں کی بیواؤں اور بیٹیوں کے ساتھ کیں۔ ان کے والی وارث مارے جا چکے تھے یا مسلمانوں کی قید میں تھے اور یہ یروشلم چلی آئی تھیں۔ جب ان کا زرِ فدیہ ادا ہوگیا اور یہ شہر کے باہر نکلیں تو سب جمع ہو کر سلطان کے پاس پہنچیں۔ سلطان نے اِن سے پُوچھا۔ "آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟" سلطان کو بتایا گیا کہ یہ ان عیسائی شہسواروں کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں جو لڑائیوں میں قتل ہو چکے ہیں یا قید ہیں۔ سلطان نے اُن سے پوچھا۔ "پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟" انھوں نے خدا کا واسطہ دے کر یہ درخواست کی کہ ہم پر رحم کیا جائے اور یہ کہا کہ ہم میں سے بعض کے شوہر قید میں ہیں، بعض کے مر چکے ہیں اور ان کی زمینیں اور جائدادیں ہمارے قبضے سے نکل چکی ہیں۔ آپ ہماری دستگیری کریں اور جو مہربانی مناسب سمجھیں کر دیں۔ ان کی فریاد سُن کر سلطان کی آنکھوں میں آنسُو بھر آئے۔ اُس نے اُن عورتوں سے جن کے شوہر زندہ تھے، یہ پوچھا کہ آیا انھیں معلوم ہے وہ کہاں کہاں قید ہیں اور یہ کہا کہ تم مجھے ان قیدخانوں کا پتا بتا دو، جب میں ان میں پہنچوں گا تو تمھارے شوہروں کو آزاد کر دوں گا (اور بعد میں یہ سب قیدی واقعی

آزاد کر دیے)۔ جن عورتوں کے شوہر مر چکے تھے انھیں اس نے خزانے سے حسبِ مراتب رقمیں دیں۔ ان عورتوں نے سلطان کی اس مہربانی پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد وہ جہاں جہاں گئیں وہاں اُس کی اِس فیاضی کا چرچا بھی کیا جو سُلطان نے ان کے ساتھ روا رکھی تھی۔ جب ہم سلطان صلاح الدین کی اس فیاضانہ روش پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اوّلین صلیبیوں کی وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو انھوں نے ۱۰۹۹ء میں عیسائیوں کے یروشلم فتح کرنے کے موقعے پر کی تھیں۔ اس وقت جب گوڈفرے اور ٹینکریڈ یروشلم کے بازاروں میں سے گزرے تھے تو اُن میں جاں بہ لب زخمیوں اور لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ صلیبیوں نے بیگناہ اور نہتّے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے دے کر مارا تھا اور بہت سوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ جہاں کہیں مسلمان چھتوں اور بُرجوں پر پناہ لینے کے لیے چڑھ گئے تھے وہاں صلیبیوں نے انھیں تیروں سے چھید گرایا تھا۔ یروشلم کے اس قتلِ عام نے عیسائی دنیا کے نام کو بٹا لگا دیا تھا۔ انھوں نے یہ وحشیانہ مظالم اُس مقدس شہر میں کیے تھے جہاں حضرت مسیحؑ نے انسانوں کو انسانوں پر رحم کھانے کی تلقین کی تھی اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ بابرکت ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں پہ رحم کرتے ہیں اور ان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جس وقت عیسائیؑ اس پاک اور مقدّس شہر کو مسلمانوں کا مذبح بنا رہے تھے اس وقت وہ حضرت مسیحؑ کے اس کلام کو بھول گئے تھے کہ "صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑی صفت

رحم ہے ۔ رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے ۔ جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، وہاں رحم بچا سکتا ہے " اگر سلطان صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی ایک کارنامہ دُنیا کے سامنے رکھا جائے کہ اس نے یروشلم فتح کرنے کے بعد مفتوح عیسائیوں کے ساتھ کتنا رحمدلانہ سلوک کیا تو یہ اس دعوے کا محکم ثبوت بن سکتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالی حوصلہ اور فراخ دل انسان تھا ۔ احمد بیلی مصری نے صلیبی جنگوں پر جو کتاب لکھی ہے اس میں یروشلم کی فتح کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب سلطان نے دیکھا کہ بہت سے عیسائی اپنے بوڑھے ماں باپ کو اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے لیے جا رہے ہیں اور بہت سوں نے بیماروں کو بھی پیٹھوں پر لاد رکھا ہے تو اس کا دل بہت کُڑھا اور اس نے حکم دیا کہ انھیں لدّو جانور دیے جائیں تاکہ یہ ان پر اپنے عزیزوں کو بٹھا سکیں ۔ اور عورتوں پر تو اُس نے اِس سے بھی زیادہ شفقت کی ۔ روم کے بادشاہ کی ایک ملکہ، جو راہبہ بن گئی تھی، یروشلم میں مقیم تھی ۔ اس کے ساتھ اس کے خدّام اور مُریدنیں وغیرہ بھی تھیں ۔ یہ عورت بڑی دولتمند تھی ۔ سلطان نے اس کے مال کی حفاظت کی اور اس کے پیروؤں کو امان دی ۔ اور جب اس نے وہاں سے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے اس کے شوہر کے پاس بھجوا دیا، جو قلعۂ نابلس میں قید تھا، اور وہاں رہنے کی اجازت دے دی ۔ اس راہبہ کے

پیچھے پیچھے اور بہت سی عورتیں بھی روتی ہوئی نکلیں جو گودوں میں بچے لیے ہوئے تھیں۔ جب وہ سلطان کے سامنے سے گزریں تو کہنے لگیں کہ اے سلطان ہم ان عیسائی سپاہیوں کی بیویاں، مائیں اور بیٹیاں ہیں جو اس وقت آپ کی قید میں ہیں۔ اب ہم اس مقام کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے ہیں مگر ہماری زندگی کا سہارا تو ہمارے مرد ہی ہیں۔ اگر آپ ان کو قید سے رہا کر دیں تو ہم کو گویا ایک نعمت بخش دیں گے۔ ان کے ساتھ ہونے سے ہماری مصیبتیں اور تکلیفیں دُور ہو جائیں گی ورنہ ہم اس دُنیا میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ سلطان نے ان کی یہ التجا باچشمِ نم قبول کی، وہیں، اور اُسی وقت!

سقوطِ یروشلم پر یورپ میں تہلکہ مچ گیا

اس خبر سے کہ یروشلم پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا ہے، یورپ کے طول و عرض میں کہرام برپا ہو گیا۔ پاپائے روما نے ایک اور صلیبی جنگ کے لیے ناقوس بجایا اور یہ کہا کہ جو اِس جنگ میں شریک ہوگا اس کے سب گناہ دُھل جائیں گے۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ پہلا شخص تھا جس نے صلیب اٹھا کر ایک اور صلیبی لڑائی لڑنے کا عہد کیا۔ اس نے اور فرانس کے بادشاہ نے آپس کے پُرانے جھگڑے فراموش کر دیے اور دونوں نے صور کے اسقفِ اعظم سے صلیب لے کر دوش بدوش لڑنے کا حلف اُٹھایا۔ انگلستان میں

کنٹربری کے بالڈون نے صلیبی جنگ کی تبلیغ کا وعظ کہا۔ یورپ میں "محصول صلاح الدین" کے نام سے ایک محصول عائد کیا گیا اور صلیبی جنگ کے اخراجات کے لیے ہر شخص سے اس کی دولت کا ایک حصہ وصول کیا گیا۔ لیوزن کے شاعر ہربرٹ نے پُرجوش نظمیں لکھ کر اہلِ فرانس میں صلیبی جنگ کا جوش پیدا کیا۔

عکّہ کا سقوط

سلطان صلاح الدین موقعے پر موجود نہیں تھا۔ عکّہ کے شہریوں نے ہر طرح کی مشکلات برداشت کر کے شہر کا دفاع کیا لیکن آخر مجبور ہو گئے کیونکہ اُنھیں کمک نہیں پہنچی۔ لین پول لکھتا ہے کہ اُس وقت شہر کا حاکم ایک شخص میر قراقوش اور سپہ سالار ایک شخص علی ابنِ احمد المشطوب تھا۔ ان دونوں نے بعض شرائط پر صلح کر لینے کا فیصلہ کیا اور اس غرض سے ۴؍ جولائی کو عیسائیوں کی لشکرگاہ میں گئے لیکن عیسائیوں نے شرائط کے ساتھ صلح منظور نہ کی صلاح الدین اِس کارروائی میں شریک نہیں تھا۔ وہ تو شہر والوں کو برابر یہی کہلواتا رہا کہ مقابلہ کیے جاؤ، میں کمک بھیجوں گا اور اس نے ۵؍ جولائی کو کمک کے لیے فوج تیار بھی کر لی۔ ۷؍ جولائی کو ایک قاصد یہ خبر لے کر آیا کہ عکّہ والوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے اور جب تک دم میں دم ہے شہر ان کے قبضے

میں نہ جانے دیں گے مگر سلطان کو چاہیے کہ وہ کسی ترکیب سے دشمن کو کسی اور طرف متوجہ کرے تاکہ وہ عکّہ پر حملہ نہ کرے۔ سلطان کو بھی بڑی تشویش تھی مگر وہ اہلِ شہر کو کمک نہ پہنچا سکا اور ۱۲ر جولائی کو عکّہ کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔

عکّہ کے مسلمانوں کا قتلِ عام

رچرڈ کے سفرنامے کے موٴلف نے لکھا ہے۔ "رچرڈ نے حکم دے دیا کہ سلطان نے جتنے مسلمان بطور یرغمال دیے ہیں ان میں سے اُونچے درجے کے چند آدمیوں کو چھوڑ کر باقی سب کے سر اُڑا دیے جائیں۔ رچرڈ کو مسلمانوں کو غارت کرنے کی دُھن تھی اور وہ محمدؐ کے دین کو مٹا کر عیسٰیؑ کے دین کو فروغ دینا چاہتا تھا۔ اس نے ۱۶ر اگست کو حکم دیا کہ جو دو ہزار سات سو مسلمان ضمانت میں دیے گئے ہیں، انھیں فوراً شہر سے باہر لے جاکر قتل کر دیا جائے۔ رچرڈ کے سپاہی اس کا یہ حکم سُن کر بہت خوش ہوئے اور اِسے بجا لانے کے لیے کُود کُود کر آگے آئے کیونکہ اُنھیں اُن عیسائیوں کے قتل کا بدلہ لینے کا موقع مل رہا تھا جنھیں ان مسلمان قیدیوں نے ہلاک کیا تھا۔ جب عکّہ کے مسلمانوں نے ایک فوجی چوکی سے یہ دیکھا کہ ان کے بھائی بند قتل کیے جا رہے ہیں تو غصّے سے بے قابو ہوکر آگے بڑھے کہ کسی طرح ان کی جانیں بچائیں، اور وہ لڑے بھی،

مگر کسی مسلمان کی جان نہ بچا سکے ۔ عیسائیوں نے صرف دو مسلمانوں کو قتل نہیں کیا، جو اعلیٰ طبقے کے تھے، باقی سب کو، یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کو بھی، بڑی سنگدلی سے قتل کر دیا۔" لین پول نے عکہ کے مسلمانوں کے اس قتلِ عام کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین کی نوازشوں کا خیال کرتے ہوئے رچرڈ کے اس ظلم و ستم پر حیرت ہوتی ہے لیکن جو شخص صلیبی جنگوں کے حالات غور سے پڑھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان لڑائیوں میں تہذیب و شائستگی، دریادلی، رواداری، جوانمردی اور نیکی کی جتنی مثالیں ملتی ہیں وہ سب مسلمانوں کی ہیں ۔

رچرڈ کی جانب سے صلح کی پیشکش

عربی تحریروں سے معلوم ہُوا ہے کہ رچرڈ نے سلطان صلاح الدین کو صلح کی پیشکش کی اور اس مضمون کا خط بھیجا کہ مسلمان اور فرنگی لڑتے لڑتے تھک گئے ہیں، ان کے تمام شہر تباہ ہوگئے ہیں اور جان و مال غارت ہوتے جا رہے ہیں اس لیے اب صلح ہو جانی چاہیے ۔ سوال صرف بیت المقدس، صلیبِ اعظم اور تھوڑے سے علاقے کا ہے ۔ یروشلم کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اسے ہم لے کر رہیں گے چاہے ہم سب اس کوشش میں فنا ہو جائیں ۔ علاقے کی بابت یہ ہے کہ دریائے اُردن کے مغرب کا علاقہ ہمیں ملنا چاہیے ۔ رہی

صلیبِ اعظم، وہ تمھارے لیے ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے لیکن ہمارے لیے ایک بے بہا تبرّک ہے اس لیے وہ بھی ہمیں واپس مل جانی چاہیے۔ اگر سلطان یہ تینوں باتیں مان لے تو امن و سلامتی کا دَور واپس آ جائے گا۔ اس کا جواب سلطان صلاح الدین نے یہ دیا کہ یروشلم ہمارے لیے بھی اتنا ہی مُتبرک اور مُقدّس ہے جتنا تمھارے لیے ہے بلکہ ہمارے لیے اس وجہ سے اَور بھی زیادہ واجب التعظیم ہے کہ ہمارے رسولؐ یہیں سے معراج پر روانہ ہوئے تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں یومِ جزا کو کُل مومن جمع ہوں گے ۔ تم اس خیال میں ہرگز نہ رہنا کہ ہم اس شہر کو چھوڑ دیں گے ۔ رہا علاقہ، وہ ابتدا سے ہمارا ہے، تم نے اس پر حملہ کیا ۔ اگر مسلمان کمزور نہ ہوتے تو تم کبھی اس کے کسی حصّے پر قبضہ نہ کر سکتے ۔ جب تک یہ لڑائی جاری ہے خدا تمھیں اس بات کی کبھی اجازت نہ دے گا کہ تم اس پر اپنا ایک پتھر بھی رکھ سکو۔ صلیبِ اعظم پر قبضہ رکھنا ہماری صوابدید پر منحصر ہے ۔ ہم اِسے اس وقت تک تمھارے حوالے نہیں کر سکتے جبتک اسے اپنے پاس رکھنے میں ہمارا فائدہ ہے ۔

رچرڈ کی ایک عجیب تجویز

معتمد بہاءالدین نے لکھا ہے کہ العادل نے ۲۰؍ اکتوبر کو اِن شرائط سے سلطان کو مُطلع کیا جو رچرڈ نے پیش کی تھیں ۔ اور وہ

شرطیں یہ تھیں کہ العادل رچرڈ کی بہن جین سے شادی کرلے جو صقلیہ کے بادشاہ کی بیوہ ہے ۔ رچرڈ بہن کے جہیز میں بلادِ ساحل میں سے عکّہ، یافہ، اور عسقلان دے دیگا ۔میاں بیوی دونوں یروشلم میں رہیں۔ صلاح الدین اپنے بھائی کو اس کی موجودہ جاگیر کے علاوہ فلسطین کا باقی حصّہ بھی دے دے اور اس طرح پورے فلسطین پر یہ دونوں میاں بیوی حکومت کریں ۔مسلمان صلیبِ مقدّس عیسائیوں کے حوالے کردیں اور عیسائی قیدی بھی رہا کر دیے جائیں اور طبقۂ دادیہ اور البیطار کے شہسواروں کی رہائش کا انتظام کیا جائے ۔ یہ شرائط پوری ہوجاتے کے بعد رچرڈ انگلستان واپس چلا جائے گا ۔ العادل نے ان شرطوں کو پسند کیا اور مَیں (بہاءالدین) سلطان کے پاس منظوری حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا مگر سلطان نے ان کو رچرڈ کی طرف سے ایک نامعقول لطیفہ سمجھا اور ان کی خوب ہنسی اُڑائی ۔ یہ بات کہ ایک مسلمان مرد کی ایک عیسائی عورت سے شادی ہوجائے رچرڈ سے تو بعید نہیں تھی لیکن صلاح الدین جیسا متقی اور پرہیزگار مسلمان ایسا خیال کبھی دل میں نہ لاسکتا تھا ۔ اس میں شُبہ نہیں کہ ملک العادل اور رچرڈ میں گہری دوستی ہوگئی تھی مگر رچرڈ کی بہن جین نے جب یہ سُنا کہ ایک مسلمان سے اس کی شادی کی تجویز ہے تو اس نے انکار کردیا۔ رچرڈ کا یہ خیال بھی تھا کہ ملک العادل کو عیسائی کرلیا جائے ۔ اس نے العادل کو اپنے لشکر میں مدعُو کرکے اپنے خاص خیمے میں

اس کی بڑے اہتمام سے ضیافت کی تھی۔ سارا دن راگ رنگ میں گزارا تھا اور دونوں پکّے دوست بن کر ایک دوسرے سے جُدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد رچرڈ نے العادل کے تحائف بھی قبول کیے اور ان دونوں کے درمیان قاصدوں کے ذریعے نامہ و پیام بھی ہوتا رہا۔ العادل کے آدمی رچرڈ کے لیے جو تحائف لے کر آتے تھے، انھیں رچرڈ بڑے شوق سے قبول کرتا تھا۔ رچرڈ کی یہ حرکتیں اس کے ماتحتوں کو پسند نہیں تھیں چنانچہ ان میں چرچے ہونے لگے کہ کسی عیسائی کا مسلمان سے دوستی کرنا کس طرح جائز ہے لیکن چونکہ العادل اعلانیہ کہتا تھا کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں مُستقل صلح کا خواہشمند ہے اس لیے لوگ خاموش رہے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ رچرڈ مسیحی دُنیا کو وسعت دینے کے خیال سے صلح کی تحریک کر رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اپنی مجلسِ مشاورت منعقد کر کے اس کے سامنے رچرڈ کی شرائط رکھیں۔ اس کے سرداروں کی رائے یہ ہوئی کہ اگر صلح ہی کرنی ہے تو رچرڈ سے کرنی چاہیے کیونکہ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ شام کے عیسائی اپنے قول پر قائم نہیں رہتے۔ انھوں نے صلح کے لیے جو شرائط منظور کیں وہ یہ تھیں کہ العادل رچرڈ کی بہن سے شادی کر کے فلسطین کا بادشاہ بن جائے لیکن رچرڈ کی بہن کی رضامندی یا عدم رضامندی کا بھی سوال تھا کیونکہ اس کی طرف سے ابھی تک کوئی قطعی جواب نہ ملا تھا۔ رچرڈ نے اپنے آخری خط میں العادل کو لکھا کہ عیسائی مجھے

مطعون کر رہے ہیں کہ مَیں اپنی بہن کی شادی ایک مسلمان سے کر رہا ہُوں ۔ اب میرا قصد یہ ہے کہ میں پاپائے روما سے اس شادی کی اجازت حاصل کروں ۔ اگر مَیں اس سے بہن کی شادی تمھارے ساتھ کرنے کی اجازت حاصل نہ کر سکا تو پھر میری تجویز یہ ہو گی کہ تم میری بہن کے بجائے میری بھانجی سے شادی کر لو لیکن العادل نے رچرڈ کی بھانجی سے شادی منظور نہ کی ۔ اس کے بعد جب لوگوں نے صیدا کے ریجینالڈ کو العادل کے ساتھ دونوں لشکروں کے درمیان آتے جاتے دیکھا تو ایک بار پھر چرچے شروع ہوئے لیکن اتنے میں جاڑا آگیا اور خط و کتابت بند ہو گئی ۔

شاہ رچرڈ اور سُلطان صلاح الدّین ایّوبی کی صلح

لین پُول نے لکھا ہے کہ اُن دنوں العادل مارسمویل میں تھا اور بیمار پڑا ہُوا تھا ۔ رچرڈ نے، جو بڑی تکلیف میں تھا اس سے درخواست کی کہ وہ ایسی شرائطِ صلح تجویز کرے جن پر صلح ہو ہی جائے ۔ اس نے سلطان کے وزیر ابوبکر سے یہ بھی کہا کہ میرے بھائی العادل سے کہو کہ وہ میری طرف سے سلطان سے یہ درخواست کرے کہ سُلطان عسقلان ہمیں دیدے لیکن عسقلان رچرڈ کو نہ مل سکتا تھا ۔ ۲۸ اگست سے لے کر چہار شنبہ تک کارروائیاں ہوتی رہیں اور تیز رفتار قاصد دوڑتے رہے ۔ ۲ دسمبر ۱۱۹۲ء کو تین برس کے لیے صلح کے معاہدے کا مسودہ تیار ہُوا ۔

اس کے مطابق عکّہ سے لے کر یافہ تک کُل ساحلی علاقہ انگلستان کے بادشاہ کو دیا گیا۔ عسقلان کے بارے میں یہ طے پایا کہ اسے مسمار کر دیا جائے۔ مسلمان اور عیسائی ایک دُوسرے کے شہروں میں آزادی سے آمد و رفت رکھ سکتے ہیں اور مسیحی زائرین یروشلم میں مزارِ مسیحؑ کی زیارت کو جب چاہیں آسکتے ہیں۔ جس وقت قاصد نے صلح نامے کا مسوّدہ رچرڈ کو دیا وہ بیمار تھا، کہنے لگا، مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اسے پڑھ سکوں لیکن میں صلح و امن کی غرض سے اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھوں میں دیتا ہوں۔ اور جتنے سفیر دستخط کرانے آئے تھے ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں باری باری اپنا ہاتھ دیا اور ان سفیروں نے بھی اسے قول دیا۔ رچرڈ نے خود قسم نہ کھائی اور یہ کہا کہ قسم کھانا بادشاہوں کا شعار نہیں البتہ کمپاگنی کے ہنری اور بالیان اور دادیہ اور البیطار کے نائٹوں نے قسمیں کھائیں جب شام ہوئی تو انھوں نے اپنے اپنے سفیر صلاح الدین کے پاس روانہ کیے۔ اگلے دن صبح کو صلاح الدین نے اس صلحنامے پر دستخط کر دیے اور تمام لشکر میں صلح کی منادی کرا دی۔ رچرڈ عکّہ آیا اور یہاں سے ۹ر اکتوبر ۱۱۹۲ء کو جہاز پر سوار ہُوا لیکن جہاز کا لنگر اُٹھنے سے پہلے صلاح الدین کو کہلوا بھیجا کہ اس صلحنامے کی میعاد گزرنے کے بعد پھر یروشلم فتح کرنے آؤں گا۔

لین پول اس صلیبی جنگ کے خاتمے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا

ہے کہ اس لڑائی کا جو پانچ برس کے بعد ختم ہوئی، یہ نتیجہ نکلا کہ جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین بھی نہیں تھی مگر ستمبر ۱۱۹۲ء میں، جب رملہ پر صلح ہوئی، ساحلِ صور سے لے کر یافہ تک، ایک پتلی سی پٹی کے علاوہ، سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ صلیبیوں نے جتنا علاقہ فتح کیا تھا اس کا بیشتر حصہ فرنگیوں کے پاس رہا لیکن اگر اس طرح دیکھا جائے کہ اتنا علاقہ فتح کرنے کے لیے جان و مال کا کتنا زیاں ہُوا تو ماننا پڑے گا کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہُوا۔ اس لا حاصل مہم کے لیے پاپائے روما کی فریاد پر پوری دُنیائے عیسائیت نے ہتھیار اُٹھا لیے تھے۔ جرمن قیصر فریڈرک، انگلستان، فرانس اور صقلیہ کے بادشاہ، آسٹریا کا لیو پولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، فلینڈرز کا کاؤنٹ، صدہا مشہور و معروف نواب، تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کی عیسائی سلطنت کا بادشاہ، فلسطین نیز دیگر عیسائی ملکوں کے والی، اور طبقۂ داویہ اور البیطار کے شہسوار، سب اس کوشش میں تھے کہ بیت المقدس پر قبضہ کر کے یروشلم کی اس عیسائی سلطنت کو، جو مٹنے کے قریب تھی، دوبارہ زندہ کر دیں۔ لیکن اس مہم کا انجام کیا ہُوا؟ جرمن قیصر فریڈرک مر گیا۔ انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں کو ارضِ مُقدس سے اس حالت میں ناکام واپس آنا پڑا کہ اُن کے بہت سے ساتھی میدانِ جنگ میں پیوندِ خاک ہو گئے لیکن یروشلم پھر بھی سلطان صلاح الدین کے پاس رہا۔

صرف ساحلِ عکّہ پر کی مختصر سی ریاست پر ایک برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔ تیسری صلیبی جنگ میں دُنیائے عیسائیت اپنی مجموعی طاقت سے حملہ آور ہوئی مگر صلاح الدین کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ صلاح الدین کی سپاہ مہینوں تک تکلیفیں اُٹھاتے اور برسوں تک خطرناک لڑائیاں لڑنے کی وجہ سے تھک کر چُور ہو گئی پھر بھی اس کے کسی سپاہی کی زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہ آیا اور کسی نے جہاد کے نیک کام میں جان دینے سے کبھی انکار نہ کیا۔

قائدِ اعظم جناح

جی۔ الانا

مشہور شاعر، مفکر اور ادیب جی۔ الانا اُن مسلم لیگی لیڈروں میں سے ہیں جنھوں نے قائدِ اعظم کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ انھوں نے قائدِ اعظم کی اس سوانح عمری میں اُن کی نجی اور عوامی زندگی کے اُن بے شمار گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جن تک تاحال کسی کی رسائی نہ ہوئی تھی۔

قائدِ اعظم جناح — ایک عظیم قائد کی یہ عظیم سوانح حیات ہی نہیں ایک ایسی قوم کی سرگزشت بھی ہے جس نے اپنے لیے ایک منزل متعین کی اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھی جب تک خود منزل نے آگے بڑھ کر اُسے گلے سے نہ لگالیا۔

چشم دید

فیروز خان نون

ملک فیروز خان نون کی یہ خود نوشت سوانح عمری بیسویں صدی (نصف اوّل) کے برصغیر پاک و ہند کی ایک زندہ تاریخ ہے، جس میں اُنھوں نے اِس عہد کی پُوری سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کو سمو دیا ہے۔ تحریکِ آزادی اور جدوجہد پاکستان کا مطالعہ اس کتاب کے بغیر مکمل نہیں کہلایا جا سکتا۔ اندازِ بیان شگفتہ اور محاکاتی۔ بارہ نادر تصویریں۔

فیروز سنز لمیٹڈ

60۔ شاہراہ قائدِ اعظم لاہور

خلتِ قزّاق

تصنیف : ہیرلڈ لیم　　　ترجمہ : محمّد ہادی حسین

خلت قزّاق سترھویں صدی کا ایک تاتاری سُورما قتل و غارت، ہنگاموں اور سازشوں کا پیکر جس کے نام سے بڑے بڑے جنگ آزما اور شاہانِ کج کُلاہ تھرّاتے تھے۔

مشہُور امریکی داستان گو ہیرلڈ لیم نے تاریخ کی اِس فراموش شدہ ہستی کو اپنے جادُو نگار قلم سے قیامت تک کے لیے لافانی بنا دیا ہے۔

میدانِ جنگ کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مناظِر، عجیب و غریب محلاّتی سازشیں، حُسن و عشق کی سحر کاریاں۔

یہ کتاب اُردُو کے داستانی ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے

قیمت : ۵ے ۶ ۵

اِس سِلسلے کے مندرجہ ذیل حصّے زیرِ طبع ہیں :

خلت قزّاق پُراسرار دُنیا میں ، منحُوس ستارہ اور خلت قزاق

خلت قزّاق کے آخری معرکے — ہر حِصّہ اپنی جگہ ایک مکمّل کتاب ہے۔

یہ کتابیں فیروز سنز لمیٹڈ نے موسّسۂ مطبوعاتِ فرینکلن کے اِشتراک سے شائع کی ہیں۔

سائنس کی

حیرت انگیز باتیں

مصنفہ : جین شرمن   مترجم : علی ناصر زیدی

زمین ، سمندر اور آسمانوں میں پائے جانے والے چمک دار ستارے ، سرسبز درخت ، رنگ برنگے پھول خوب صورت جانور ، طرح طرح کے کیڑے ، قسم قسم کی مچھلیاں اور بے شمار پرندے ، سائنس کی ایک دنیا اپنے دامن میں سمیٹے ہمیں غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں - یہ دنیا حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دل چسپ بھی ہے - اس کتاب میں اسی دنیا کا حال بیان کیا گیا ہے -

ہر صفحے پر تصویر ، قیمت : ۲٫۵۰

یہ کتاب فیروز سنز لیمٹڈ نے مؤسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن کے اشتراک سے شائع کی ہے۔

آدمی رات کا شہر : اے۔ حمید

اے حمید گلاب کی ٹہنی سے لکھتا ہے۔ اس کا ہر لفظ پھول کی پنکھڑی ہے۔ وہ ہر سطر میں خوشبوئیں اُڑاتا ہے۔ اِس ناول میں اے۔ حمید نے اُن ناکام محبت رُوحوں کا ذکر کیا ہے — جو خوشبوؤں اور یادوں کے جنگل میں بھٹکتی پھرتی ہیں اور جنہیں کہیں قرار نہیں ملتا۔

دستک نہ دو : الطاف فاطمہ

اُونچے گھرانے کی ایک بے حد حسّاس لڑکی، گیتی جس کی سچائی اور سیدھے پن نے اُس کو اپنے ماحول کے لیے بیزار کُن حد تک ناقابلِ فہم بنا دیا تھا۔ اِس گیتی کو سب سے پہلے جس شخص نے سمجھا وہ ایک چینی نوجوان تھا۔ مگر وہ چین کے ایک عظیم فلسفی کے اِس مقولے کا قائل تھا کہ "دستک نہ دو، مطلوب خود تُم تک پہنچ جائے گا۔"

مشہُور ادیبہ الطاف فاطمہ نے اُردو ناول کو گیتی کے رُوپ میں ایک ایسا جاندار کردار دیا ہے جس کی یاد نشتر بن کر دِلوں کو کچوکے دیتی رہے گی۔

بہو بیگم : عادل رشید

ایک ایسی عورت کی پُر درد و المناک رُوداد جو ایک مثالی بیوی، مثالی بہو، اور مثالی ماں تھی۔ بہو بیگم عورت کی لازوال محبت، مثالی اطاعت شعاری اور ناقابلِ شکست خود اعتمادی کی غیر فانی داستان ہے۔

لاکھ بلائیں ایک نشیمن : عادل رشید

وہ اپنے محبوب کو دیوانہ وار چاہتی تھی مگر شرم و حیا کے سبب دل کی بات زبان پر نہ لا سکی۔ اُس نے اپنی رُوح کو ابدی کربناکیوں اور رافتیوں کے حوالے کر دیا مگر اُف تک نہ کی۔ بہو بیگم کے بعد فیروز سنز سے چھپنے والا عادل رشید کا یہ دوسرا ناول ہے جس میں اُنھوں نے قلم کی ساری رنگینیاں و دِل آویزیاں نچوڑ دی ہیں۔

فیروز سنز لمیٹڈ